جعفر منصور

خلافتِ عباسیہ کا ایک زرّین ورق

تالیف

ابوالقاسم رفیق دلاوری

اقبال اکیڈیمی، ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور

قیمت بے جلد ؏

محصول ڈاک ۳ر

ابو جعفر منصور

یعنی خلافت عباسیہ کے قیام کی پوری تفصیل اور اس کے سب سے
زیادہ جلیل القدر اور نامور خلیفہ "ابو جعفر منصور" کے مکمل حالاتِ زندگی
جو بڑے سبق آموز انقلابات افزا ہیں۔

مرتبہ

ابوالقاسم رفیق دلاوری

مکتبہ پاکستان

۵۴۔ (الف) سرکلر روڈ۔ بیرون موچی دروازہ۔ لاہور

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ — محصول ڈاک تین آنہ

بار اول
ایک ہزار

سنہ ۱۹۴۴ء

مطبوعہ اتحاد پریس ریل روڈ لاہور
شائع کردہ
سید محمد شاہ ایم۔ اے از دفتر مکتبہ پاکستان ۱۰۴ (ل) سرکلر روڈ بیرون موچی گیٹ لاہور

فہرست مضامین

کَلِمَۃُ لِلنّاشِر

یہ کتاب اُس تاریخی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو "رجال اسلام" سے متعلق مَیں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہُوں۔ اس سے قبل مَیں نے "مفتی محمد عبدہٗ " مصری کے حالات زندگی اور اُن کے کام کے متعلق ایک کتاب شائع کر چکا ہُوں۔ اس کے بعد "سیدہ فاطمہ" کے نام سے حضور علیہ الصلوٰۃ کی صاحبزادی فاطمہ بتولؓ کی سیرت شائع کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے لئے انشاء اللہ العزیز بہت مفید ثابت ہوگا۔ پھر چاروں خلفاء اور چاروں ائمہ کے علیحدہ علیحدہ حالات اور اُن کے کام کی تفاصیل پر انوکھی تصانیف زیر طبع ہیں جن کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ نوجوان مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ آج کل کے بچے کل قوم بننے والے ہیں۔ کل ہماری قوم کی ذہنیت وہی ہوگی جو آج ان بچوں کی بن جائے گی۔ کل ہماری قوم کے پیش نظر وہی کام ہوگا جس کا نقشہ آج ان کے ذہنوں میں مرتسم ہو جائے گا۔ کل ان کے اخلاق وہی ہوں گے جن کا نقش آج ان کے ذہن صافی میں جگہ پا چکا

ہے لہٰذا ہمیں اگر آنے والی قوم سے مسلمانوں کا سا کام لینا ہے تو آج ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں کو اس کی تعلیم دینی چاہیئے۔ یہ کتابیں اسی نظریہ کے پیش نظر شائع کی جارہی ہیں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

محمد شاہ
مہتمم مکتبہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تاریخی اوراق اور دُنیا کی ممتاز ہستیوں کے کارناموں میں نیرنگ سازِ قدرت کی اعجوبہ نمائیوں کے بعض تعجب خیز نمونے ہماری نظر سے گزرتے ہیں۔ ان عجائبِ قدرت کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ جب حکیم علی الاطلاق کسی قوم کو عروج و اقبال کی نعمت سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے تو کیسے کیسے حیرت انگیز طریقوں سے اس کی مدد کرتا ہے اور جب کوئی ملت معرضِ زوال میں آتی ہے تو کس طرح وہ ترقی و بہبود کی تمام تر کوششوں کے باوجود قعرِ مذلت میں گرتی ہے۔

بنو امیہ کے زوال اور برگشتگیٔ قسمت سے پہلے ابو جعفر منصور ایک معمولی ہاشمی تھا۔ اور جن ایام میں بنو ہاشم سازشوں اور بغاوتوں کے الزام میں قتل کئے جا رہے تھے، منصور خفیہ ادبار میں مبتلا رہ کر ملامت کے خوف سے غریب الوطنی کی خاک چھانتا پھرتا تھا بھلا ان ایام آشوب میں کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات گزر سکتی تھی کہ جس حکمران طبقہ کے خوف سے وہ آج آوارۂ دشتِ غربت ہے، کل کو وہ اور اس کا خاندان اس کے پرچم اقبال کو پامال کرے گا اور نہ

نہ صرف وہ خود ایک جلیل القدر خلیفۃ المسلمین ہے کی حیثیت سے اورنگ جہانبانی کو زینت دیگا بلکہ اس کی اولاد بھی صدیوں تک اپنے جاہ وجلال کے پھریرے فضائے عالم میں اڑاتی رہے گی؟ ہرگز نہیں۔ لیکن چند انقلابات کے بعد دائرہ تقدیر کا خط مرکز تک پہنچا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح آل عباس چند ہی سال کے عرصہ میں اپنے شروانی حریفوں کی بساط حکومت کو الٹ کر تمام اسلامی قلمرو کو اپنے علم اقبال کے نیچے لے آئے ہیں؟

لاہور۔ جون ۱۹۴۴ء

ابوالقاسم رفیق دلاوری

خلافتِ عباسیہ کا قیام

بنو عباس کے حصول خلافت کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اوائل میں مُلک گیری اور قیام خلافت کی کوششیں بنو ہاشم میں سے صرف سادات اور علویوں کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور گو حسب روایت محمد بن جریر طبری جب سے حضرت صادق مصدوق رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا کہ انجام کار خلافت تمہاری اولاد میں آئے گی[1] بنو عباس خلافت کے امیدوار چلے آتے تھے مگر عملی طور پر وہ بالکل خاموش اور زاویہ گمنامی میں پڑے تھے۔

جب امیر المومنین علیؓ کے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ نے اس خراب آباد عالم صوری سے رخصتِ سفر باندھا تو ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ انکے جانشین قرار پاتے۔ چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے جب سنہ ۹۸ھ میں ان کا

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی

وصال ہوا تو وہ محمد بن علی کو جو خلیفہ ابوجعفر منصور کے والد اور حضرت ابن عباس رضؓ کے پوتے تھے اس حیثیت سے جانشین کر گئے کہ ان دنوں ہاشمیوں میں ان کے برابر کوئی صاحبِ اثر آدمی موجود نہ تھا۔ اور اپنا کتب خانہ بھی انہی کو دیتے گئے[۱] اس طرح علویوں کی اجتماعی قوت بلاشائبہ رنج و محنت آلِ عباس کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور یہ پہلا دن تھا جب کہ خلافت عباسیہ کی داغ بیل پڑی۔ بنو عباس نسب کے لحاظ سے اقران و اماثل میں ممتاز تو تھے ہی لیکن اس جدید اعزاز کی بدولت کچھ عرصہ کے بعد ان کی کلاہ فضیلت پر حکومت و شاہی کا طرہ بھی نظر آنے لگا۔

ابو ہاشم عبداللہ کے عراقی ارادت مند اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہو چکے تھے کہ ممالک محروسہ کی عنان حکومت بہت جلد ذریۂ محمد بن علی کے دستِ اقتدار میں جانے والی ہے۔ اس لئے انہوں نے مخفی طور پر محمد کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ محمد نے سنہ ۱۰۰ھ میں اپنے منادو داعی تمام اسلامی ممالک میں بھیج دئیے۔ ان دعاۃ نے نہایت رازداری کے ساتھ اپنی خدمات مفوضہ کو کامیاب انجام تک پہنچایا[۲]۔

محمد نے سنہ ۱۲۴ھ میں دُنیائے رفتنی و گزشتنی کو الوداع کہا۔ لوگوں نے ان کی وصیت کے بموجب ان کے بیٹے ابراہیم سے بیعت کر لی۔ حُسنِ اتفاق سے ابراہیم کو اسی سال ابومسلم خراسانی ایک ایسا شخص ہاتھ آگیا جس کے حسن تدبیر

[۱] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۵۰۔ ترجمہ محمد بن علی۔ [۲] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۸۳۔

اور زور بازو نے تھوڑی ہی مدت میں دولت بنو مروان کی بیخ کنی کرکے عباسی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ چونکہ ابومسلم لوگوں کو ابراہیم کی اطاعت و بیعت کی دعوت دیتے تھے اس لئے انہیں امام کے نقب سے یاد کرنے لگے۔ ابومسلم نے اپنی طرف سے ستر داعی و نقیب مقرر کرکے اطراف و اکناف ملک میں پھیلا دیئے۔ اس شیر بیشۂ معارک و مغازی نے حکمِ عام دے دیا کہ اگر اربابِ حکومت وقت معہود سے پہلے دست اندازی کریں تو بھی بے تامل تلواریں بے نیام کرلینا۔" ان ریشہ دوانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی ہوا خواہوں کی قوت یوماً فیوماً المضاعف ہونے لگی اور بنو مروان کے نظام حکومت میں سخت اختلال رُونما ہُوا۔ ان دنوں بنو مروان کا آخری تاجدار مروان ابن محمد جو مروان بن حکم کا پوتا تھا دمشق کی سندِ خلافت پر متمکن تھا۔

جب نصر بن سیار حاکم خراسان نے ابومسلم اور اس کے نقیبوں کی سرگرمیاں حد حوصلہ سے زیادہ ترقی پذیر دیکھیں تو خلیفہ مروان بن محمد کی خدمت میں ایک منظوم عرضداشت روانہ کی جس میں درج تھا:۔

راکھ میں شرارے دکھائی دیتے ہیں۔ خوف ہے کہ شعلہ زن نہ ہوں۔
ان شراروں کو ابھی سے منطفی کردو ورنہ وہ ساعت بساعت تیز ہوتے جائینگے، کوئی شخص مجھے یہ بتادے کہ بنو امیہ بیدار ہیں یا خواب نوشیں میں پڑے ہیں۔ اگر قوم خوابِ گراں میں پڑی سوتی ہو تو اس سے کہہ

دو کہ بیدار ہونے کا وقت آن پہنچا۔

بدقسمتی سے ان دنوں مروان کو صرف بنو عباس ہی کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ درپیش نہ تھا بلکہ خوارج کی حوصلہ مندیاں اس کے لئے الگ سوہانِ رُوح ہو رہی تھیں۔ نصر بن سیار کا خط مروان کے پاس اس وقت پہنچا جبکہ وہ ضحاک بن قیس خارجی سے برسرپیکار تھا۔ اس لئے وہ نصر کے معروضہ کی طرف کوئی التفات نہ کرسکا۔

جس وقت نصر کی یادداشت خلیفہ مروان کی پیشی میں تھی انہی ایام میں ابراہیم امام نے دعوتِ بنی عباس کے متعلق ایک مکتوب ابومسلم کے نام روانہ کیا تھا۔ سوءِ اتفاق سے یہ خط منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بجائے مروان کے اہلکاروں کے ہاتھ لگ گیا۔ مروان اس خط کو پڑھ کر سخت برافروختہ ہوا اور اپنے عامل کو جو بلقاء میں تھا حکم بھیجا کہ فوراً حمیمہ پہنچے اور ابراہیم بن محمد کو گرفتار کرکے پابجولاں اس کے پاس بھیج دے۔ حاکم بلقاء نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ ابراہیم امام کو فرمانِ شاہی کے بموجب حرّان کے حبس میں قید کردیا گیا[1]۔

تھوڑے دنوں میں حرّان میں وبا پھیل گئی۔ ابراہیم بھی اس میں مبتلا ہوئے اور اسی حالت اسیری میں ان کی رُوح نے تن سے مفارقت اختیار کی[2]۔

ابراہیم امام نے گرفتاری سے پہلے ہی اپنے اہلبیت کو اپنی رحلت سے مطلع کردیا تھا اور اپنے بھائی ابوالعباس سفاح سے کہا تھا کہ میرا آفتابِ حیات

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۲۰ + [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۳۰

لب بام ہے۔ تم اپنے خاندان کو لے کر کوفہ چلے جاؤ۔ سفاح اپنے اہل وعیال اور بھائیوں ابو جعفر منصور و عبدالوھاب اور اعمام، داؤد، عیسیٰ، صالح، اسماعیل، عبداللہ و عبدالصمد پسران علی (ابن عبداللہ بن عباس) اور برادر زادگان محمد بن بن ابراہیم، عیسیٰ بن موسیٰ، موسیٰ بن داؤد اور یحییٰ بن جعفر کی معیت میں کوفہ چلا گیا۔ ابو مسلم اور شیعان علی کوفہ کے باہر حمام اعین تک استقبال کو آئے کوفہ میں یہ حضرات بنو ہاشم کے آزاد غلام ولید بن سعد کے مکان پر فروکش ہوئے اور چالیس دن تک اس راز کو تمام فوجی افسروں اور شیعان علی سے مخفی رکھا۔

آخر بتاریخ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ جمعہ کے دن ہوا خواہان بنو ہاشم مسلح ہو کر سفاح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو مع اہلبیت کے سوار کرا کے کوفہ کے دارالامارۃ میں لے گئے۔ سفاح اپنے اعزہ و رفقاء کے ساتھ جامع مسجد میں آیا اور حاضرین نے نماز جمعہ کے بعد بطیب خاطر اس سے بیعت کر لی۔[1]

جب خلیفہ مروان کو سفاح کے مسند حکومت پر بیٹھنے کی خبر ملی تو وہ سخت مضطرب ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں ایک لشکر جرار لے کر بڑے تزک و احتشام سے سفاح کی گوشمالی کے لئے بڑھا۔ سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس لڑائی نے مروانیوں اور عباسیوں کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ موصل کے قریب دونوں لشکر صفوف جنگ آراستہ کر کے صرصر تند کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ بڑے زور کا رن پڑا۔ آخر مروان نے شکست کھائی

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۔

اور ہر طرف سے مایوس ہوکر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف بھاگا اور جب عبداللہ نے تعاقب کیا تو پھر مصر کی طرف بھاگ نکلا۔[۱]

مروان کے فرار کے بعد عبداللہ دمشق پر حملہ آور ہوا اور بنو امیہ کے دار الخلافہ پر عمل ودخل کرکے وہاں پندرہ دن تک قیام کیا۔ یہاں سے فلسطین کا رخ کیا۔ اس اثناء میں سفاح کا فرمان پہنچا کہ وہ اپنے بھائی صالح بن علی کو مروان کے تعاقب میں روانہ کرے۔ صالح فتح ونصرت کے پھریرے اڑاتا ہوا مصر پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ مروان بیابانِ حیران میں سرگشتہ وحیران رہنے کے بعد اب فلاں کنیسہ میں قیام پذیر ہے۔ صالح وہاں گیا تو مروان سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مروان کو اب کی بھی ہزیمت ہوئی آخر صالح کے کسی لشکری نے اسکی زندگی کا چراغ گل کرکے اموی جاہ وجلال کی اس آخری زندہ یادگار کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا اور اس طرح اقصائے مغرب تک تمام اسلامی قلمرو سفاح کے حیطۂ اقتدار میں آگئی۔[۲]

کہتے ہیں کہ جب مروان مصر کے مقام بوصیر میں پہنچا ہے تو وہاں دریافت کیا کہ اس قریہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا اسے بوصیر کہتے ہیں۔ مروان یہ سنکر کہنے لگا وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ (بس اب اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے) چنانچہ اسی جگہ نذرِ اجل ہوگیا۔[۳]

خلیفہ سفاح نے ۱۳۴ھ میں اپنا دار السلطنت انبار میں تبدیل کرلیا اور پورے پانچ سال کی سلطنت کے بعد ماہ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں چیچک کی بیماری سے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر راہی ملک بقا ہوا۔[۴]

۱؎ تاریخ الخلفاء سیوطی ترجمہ مروان الحمار، ۲؎ تاریخ ابوالفداء جلد اول صفحہ ۲۴۲، ۳؎ وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۸۲ ترجمہ ابو مسلم ۱۲، ۴؎ تاریخ الخلفاء سیوطی، مسعودی، ابن خلدون جلد سوم

ابوجعفر منصور کی تخت نشینی

بنوعباس کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور بن محمد اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کے بعد تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ بڑی عظمت و اقتدار کا بادشاہ گزرا ہے۔ ۹۵ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں سلامہ بربریہ تھی۔ اپنے دادا علی کو جو حضرت ابن عباسؓ کے فرزند رشید تھے دیکھا تھا۔ لوگوں نے اس کے بھائی خلیفہ سفاح کی زندگی میں اس سے ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔[1]

منصور نے اپنے بھائی خلیفہ سفاح کے حکم سے بنوامیہ کے خلاف جنگ کر کے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور واسط کے محاصرہ میں بھی حصہ لیا، جہاں مروان کا آخری دست و بازو ابن ہبیرہ محصور تھا۔ منصور کو اس کے بھائی سفاح نے آرمینیا، آذربائیجان اور میسوپوٹامیا کی گورنری دے رکھی تھی جس پر وہ اپنی تخت نشینی تک برابر ممتاز رہا۔[2]

خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اپنی موت سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور کی خلافت اور برادرزادہ عیسیٰ بن موسیٰ کی ولیعہدی کا فرمان لکھ کر اور اپنی اور اپنے اہلبیت کی مہروں سے مرتب کر کے عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس رکھوا دیا۔ جب سفاح نے وفات پائی تو اس وقت ابوجعفر منصور اور ابومسلم خراسانی دونوں

[1] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ و تاریخ الخلفاء [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۳ صفحہ ۳۴۰۔

مکہ معظمہ میں تھے۔[1]

ابوجعفر منصور کی طرف سے شروع میں اُس کے چچا عیسیٰ بن علی نے لوگوں سے بیعت خلافت لی۔ اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ اخذ بیعت میں مصروف رہا۔ یہ ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت منصور کی عمر اکتالیس سال کی تھی۔[2]

اخذ بیعت کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے خلیفہ سفاح کی رحلت اور منصور سے بیعت " لئے جانے کا حال ابوجعفر منصور کو مکہ مکرمہ لکھ بھیجا ابوجعفر اپنے بھائی کے انتقال کی خبر پڑھ کر زار و قطار رونے لگا۔ جب حواس مجتمع ہوئے اور حالت پُرسکون ہوئی تو حاضرین نے مکہ معظمہ ہی میں ابوجعفر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابوجعفر منصور نے مناسک حج سے فارغ ہو کر مراجعت کی۔ جب منصور نے مستقر دولت کو عود کیا تو عیسیٰ بن موسیٰ نے تمام خزائن و دواوین اس کے سپرد کر دیئے۔[3]

عبداللہ بن علی کی بغاوت | جب عیسیٰ بن موسیٰ دارالسلطنت انبار میں منصور کی طرف سے بیعت لے چکا تو منصور کے چچا عبداللہ بن علی گورنر شام کے نام بھی ایک مکتوب روانہ کیا جس میں سفاح کی رحلت، ابوجعفر منصور کی بیعت اور اُس کی ولیعہدی کی تفصیل درج تھی۔ ان ایام میں اہم سیاسی مرحلے عموماً مساجد میں ہی طے پاتے تھے۔ اس اطلاع کے بعد جب لوگ نماز کے لئے مسجد

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ • [2] مروج الذہب مسعودی ترجمہ ابوجعفر منصور • [3] ابن خلدون جلد ۳، صفحہ ۱۸۰ •

میں جمع ہوئے تو عبداللہ نے عیسیٰ کا خط پڑھ کر سنایا اور لوگوں کو وہ واقعہ یاد دلایا جب کہ سفاح نے مروان پر فوج کشی کا ارادہ کیا تھا تو اس کے بھائیوں نے مقابلہ پر جانے سے جی چرایا تھا اور سفاح نے کہا تھا کہ جو شخص اس مہم پر جائیگا وہی تاج و تخت کا وارث ہوگا۔

یہ بیان کر کے عبداللہ نے کہا کہ اس وقت میرے سوا کسی نے اس معرکہ میں جانے پر آمادگی ظاہر نہ کی تھی۔ غرض میں اس مہم پر روانہ ہوا اور اس کے جو کارنمایاں مجھ سے ظاہر ہوا وہ کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ ابو غانم طائی، خفاف مروزی اور متعدد فوجی سرداروں نے اس بیان کی تصدیق کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عہدہ داروں نے جن میں حکیم بن قحطبہ اور شام، خراسان اور جزیرہ کے چیدہ چیدہ سردار بھی داخل تھے عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بیعت عبداللہ کے حق میں بڑی زبوں ثابت ہوئی۔

جب عبداللہ حصول بیعت میں کامیاب ہو گیا تو اس نے اپنی فوج کے ساتھ حران کی طرف کوچ کر دیا۔ وہاں پہنچ کر مقاتل بن حکیم عکی پر جسے ابو جعفر منصور حج کو جاتے ہوئے وہاں کا عامل مقرر کر گیا تھا محاصرہ ڈال دیا اور چالیس دن تک محاصرہ کئے رہا۔

منصور کو اپنے چچا عبداللہ بن علی کی مخالفت و خودسری کا پہلے ہی کھٹکا

تھا۔ جب اس کی ستیزہ کاریوں کی خبریں گوش زد ہوئیں تو نہایت استقلال و پامردی کے ساتھ اس کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوا۔[1]

ابو مسلم خراسانی کی حرکتِ جنگ | منصور نے ابو مسلم خراسانی کو اس کا خطیر کی انجام دہی پر آمادہ کیا۔ عبداللہ نے ابو مسلم کی آمد کی خبر سن کر مقاتل بن حکیم اور اس کے لشکر کو امان دے دی اور حرّان پر قبضہ کر لیا لیکن امان دینے کے باوجود یہ بدعہدی کی کہ مقاتل کو از راہ خدع ایک مکتوب دے کر عثمان بن عبدالاعلیٰ کے پاس رقہ روانہ کیا۔ عثمان نے خط پڑھتے ہی مقاتل اور اس کے دونوں لڑکوں کو تیغ جفا سے شہید کر دیا۔

خلیفہ منصور نے ابو مسلم کی روانگی کے بعد حسن بن قحطبہ والیٔ آرمینیا کو ابو مسلم کی کمک پر روانہ کیا۔ حسن اپنی فوج کے ساتھ ابو مسلم سے آملا۔ دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ جانبین مہینوں حرب آزما رہے لیکن فتح و شکست کا پلّہ کسی طرف کو نہ جھکا۔ آخر ایک مرتبہ عبداللہ کے لشکر نے غنیم پر اپنی اجتماعی قوت سے اچانک ہلّہ بول دیا۔ ابو مسلم کا لشکر حملہ کی تاب نہ لاکر اپنے مورچوں سے پیچھے ہٹ آیا۔ ان کا پیچھے ہٹنا تھا کہ عبداللہ کے بھائی عبدالصمد نے جو عبداللہ کی تائید میں آیا تھا اپنی پوری جمعیت کے ساتھ حملہ کر دیا اور عسکر خلافت ہنوز سنبھلنے نہ پایا تھا کہ عبدالصمد نے دوسرا حملہ کر دیا جس سے ابو مسلم کے لشکر کی ترتیب جاتی رہی۔ صفوف لشکر درہم برہم ہو گئیں اور فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۵۔ ابن خلدون جلد ۳ صفحات ۱۸۰۔۱۸۱

ابو مسلم کے لئے میدان حرب میں ایک عریش بنوا دیا جاتا تھا جس پر بیٹھ کر وہ لڑائی کا رنگ دیکھا کرتا تھا جس طرف قلت یا ضعف لشکر کا احساس کرتا اسی طرف کمک بھیج کر تلافی کر دیتا تھا۔ جب فوج نے راہ فرار اختیار کی تو ابو مسلم نے منادی کے ذریعہ اس کے حکم سے فوج کو لوٹنے کے لئے للکارا۔ اور قاصدوں اور منادوں نے ابو مسلم اور منہزمین کے مابین ایسی بھاگ دوڑ مچائی کہ تمام بھگوڑے لوٹ آئے اور بعد ترتیب و تنظیم ہو کر از سر نو مصروف ہو گئے اور اس کے بعد برابر مقابلہ پڑتے رہے۔

عبداللہ کی ہزیمت ۸ جمادی الثانی ۱۳۷ھ کو ایک اور زبردست معرکہ ہوا۔ ابو مسلم نے اثناء جنگ میں حسن بن قحطبہ کو میمنہ سے میسرہ کی طرف منتقل ہونے اور میمنہ میں تھوڑے سے آدمی چھوڑ آنے کا حکم دیا۔ جونہی حسن میمنہ سے میسرہ میں آیا اہل شام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر کہ شاید ابو مسلم ان کے میمنہ کے ضعف سے مطلع ہو کر میمنہ پر تاخت کرنے والا ہے بغرض مقابلہ و تقویت میمنہ میں چلے آئے۔ ابو مسلم نے فوراً قلب کو میمنہ کے ساتھ متحد ہو کر غنیم کے میسرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر شام اس غیر متوقع حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور ابو مسلم کے سواروں نے معاً اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

عبداللہ نے عالم سراسیمگی میں اپنے ایک مشیر بن سراقہ سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا "میرے نزدیک میدان جنگ میں لڑ کر جان دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ جیسا نامور و منتخب روزگار سورما بھاگنے کا نام لے" عبداللہ نے

کہا "اب اظہار مردانگی کا کوئی موقع نہیں ہے اس لئے میرا قصد ہے کہ عراق چلا جاؤں" اور بلا انتظار جواب عراق کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ابن سراقہ بھی یہ کہہ کر "تو میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں" جان بچا کے بھاگا۔

ابو مسلم ظفر و منصور عبداللہ کے لشکر گاہ میں پہنچا۔ جو کچھ پایا لوٹا اور فتح کا بشارت نامہ خلیفہ منصور کی خدمت میں روانہ کیا۔ ابو مسلم نے اپنی مردانگی اور حسن تدبیر کا ثبوت دیا کہ ہزیمت خوردہ شامیوں کو امن دے کر اپنی فوج کو قتل و نہب سے روک دیا۔[۵]

عبداللہ کی اسیری و ہلاکت | عبداللہ بن علی ابو مسلم سے ہزیمت اٹھا کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس بصرہ چلا آیا تھا اور یہیں اقامت اختیار کر لی تھی۔ خلیفہ منصور نے ۱۳۹ھ میں سلیمان کو بصرہ کی حکومت سے اس بنا پر معزول کر دیا کہ انہوں نے سلطنت کے ایک باغی کو پناہ دی۔ عبداللہ اور اس کے رفقاء اس واقعہ سے خائف ہو کر روپوش ہو گئے۔ منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے چچوں سلیمان اور عیسیٰ کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ کو دار الخلافہ میں حاضر کر دو۔ سلیمان اور عیسیٰ اس فرمان کے بموجب عبداللہ اور اس کے سرداروں اور خدام کو لے کر دار الخلافہ میں حاضر ہوئے۔ جب سلیمان اور عیسیٰ باریاب ہوئے تو منصور نے عبداللہ کو ان کی بے خبری میں قصر شاہی کے ایک حصہ میں قید کر دینے کا حکم دیا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد سلیمان اور عیسیٰ منصور سے رخصت ہو کر باہر آئے تو عبداللہ کو موجود نہ پا کر سمجھ گئے کہ وہ

[۵] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲

غریب زندان بلا میں ڈال دیا گیا۔

عبداللہ ان ایام سے پہلے کئی سال کی مدت تک برابر محبوس و مبتلائے محن رہا۔ آخر جب ۱۴۹ھ میں خلیفہ نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے مہدی کو ولیعہد مقرر کیا اور مہدی کی تخت نشینی کے بعد عیسیٰ کو ولیعہد بنانے کی ہدایت کی تو عبداللہ کو عیسیٰ کے سپرد کر کے خود حج کو چلا گیا۔

جب منصور نے حج سے مراجعت کی تو اس کے چند روز بعد عبداللہ بن علی محبس کی چھت کے نیچے دب کر طعمۂ اجل ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ ایسے مکان میں مقید تھا جس کی بنیادوں میں نمک بھرا ہوا تھا، منصور کے ایماء سے اس مکان کی بنیادوں میں پانی ڈالا گیا۔ پانی کا ڈالنا تھا کہ دیواریں گر پڑیں اور عبداللہ نے اس کے نیچے دب کر اپنی جان شیریں جہان آفریں کے سپرد کر دی[1]۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۵

ابومسلم خراسانی کا قتل

خلفائے بنو عباس کا جدِ اعلیٰ خلیفہ ابوجعفر منصور سلاطین اسلام میں
نہایت مدبّر اور بلند پایہ حکمران گزرا ہے۔ اس نے عباسیوں کی نکبت وادبار سے
لے کر اُن کے اوج و عروج تک کے سارے منظر اپنی آنکھوں دیکھے تھے۔ وہ
ابومسلم کی جان نثاریوں اور اس کے شجاعانہ کارناموں سے جو دولت عباسیہ کے
قیام و استحکام میں اس سے ظاہر ہوئے بے خبر نہ تھا۔ اسے اس بات کا بھی
احساس تھا کہ ابومسلم کی خدمات جلیلہ نے آل عباس کو کس درجہ ممنون احسان بنا
رکھا ہے۔ با ایں ہمہ اس نے اپنی سلطنت کے پہلے ہی سال ۱۳۷ھ میں ابومسلم
جیسے جری و جنگ آزمودہ سپہ سالار کو جو اس کا دستِ راست اور قوت بازو تھا
قتل کرادیا۔ بادی النظر میں خلیفہ منصور کے دامن شرف و عدالت پر یہ ایک نہایت
بدنما دھبّہ ہے۔ مگر چونکہ وہ اس اقدام قتل میں برسرِ حق تھا اس لئے ہم یہاں
اسباب و وجوہِ قتل کو پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خلیفہ منصور کے لئے اس کے
سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا کہ اپنی حکومت کو ابومسلم کے خار وجود سے پاک کر
دیتا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اُس کی فرمانروائی اور جہانبانی کو کبھی استحکام نصیب
نہ ہوتا۔ بلکہ اگر ابومسلم اپنے خوفناک منصوبوں میں کامیاب ہوجاتا تو دولت عبا-

کا استیصال کلی بھی غیر اغلب نہ تھا۔

اسباب و دواعیٔ قتل | حقیقت یہ ہے کہ ابو جعفر منصور اور ابو مسلم میں باہم اس زمانہ سے کشیدگی چلی آتی تھی جب کہ خلیفہ سفاح نے منصور کو اپنی اور اپنے بعد ابو جعفر کی بیعت لینے کے لئے خراسان بھیجا اور ابو مسلم کو خراسان کی گورنری پر سرفراز فرمایا تھا۔ ابو مسلم نے ان ایام میں سخت تمرد کے ساتھ منصور کی تحقیر و تذلیل کی تھی۔ چنانچہ اسی زمانہ سے ابو مسلم کے خلاف منصور کے جذبات خشم متلاطم چلے آتے تھے[۱]۔

منصور کے ایام ولیعہدی میں ابو مسلم نے اس کی جو توہین و دل آزاری کی اُسے تو غالباً منصور اپنے صفحۂ دل سے کلیتہً محو کر چکا تھا اور اگر اس کا کوئی اثر باقی تھا تو وہ بھی ابو مسلم کی وفاشعاری سے بسہولت زائل ہو سکتا تھا لیکن اس نے غضب یہ کیا کہ سفاح کی رحلت اور منصور کی تخت نشینی کے بعد بھی وہ سرتابی اور شوریدہ پستی سے باز نہ آیا نتیجہ یہ ہوا کہ منصور کی آتش غیظ اس کے خلاف دن بدن زیادہ بھڑکتی اور تیز ہوتی رہی۔

اسحاق بن مسلم کا بیان ہے کہ خلیفہ سفاح کے انتقال پر میں نے مکہ معظمہ سے مراجعت کرتے وقت منصور سے کہا کہ ابو مسلم کے ہوتے ہوئے آپ کو حقیقی معنی میں کبھی سلطنت و رفعت نصیب نہیں ہو سکتی۔ منصور کہنے لگا۔ "مجھے ابو مسلم کے متعلق تمہاری دلی کیفیت معلوم ہو گئی" میں نے کہا یہ درست

[۱] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۰

ہے لیکن میرے نزدیک آپ اس کی طرف سے سخت خطرے میں مبتلا ہیں منصور نے کہا تم غلط کہتے ہو مجھے اس کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ میں برخلاف توقع جواب سن کر خاموش ہو گیا۔[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منصور کے آئینہ دل پر واقعۂ خراسان کا اب کوئی اثر باقی نہ تھا۔ اور اگر ابو مسلم شیوۂ اطاعت پر کاربند رہتا تو منصور کے دربار میں اس کے مقابلہ میں کوئی شخص مقرب و سرفراز نہ ہوتا۔ لیکن اس کی تیرہ بختی نے اس کے نظام حواس کو ہمیشہ درہم برہم رکھ کر برابر کجروی پر مائل رکھا۔ ہم یہاں چند واقعات پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ ابو مسلم جذبات نخوت و پندار کا شکار ہو کر کس حد تک اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا تھا۔

جب ابو جعفر منصور نے حج سے مراجعت کی اور اس کے پاس خلیفہ سفاح کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس وقت اس کے اور ابو مسلم کے مابین ایک منزل کا بعد تھا۔ منصور نے ابو مسلم کو لکھ بھیجا کہ خلیفہ سفاح انتقال کر گیا ہے تم بہت جلد آ کر شرف باریابی حاصل کرو لیکن اس نے کوئی التفات نہ کیا۔[2]

چونکہ ابو مسلم انقضائے حج کے بعد منصور سے آگے بڑھ آیا تھا۔ سب سے پہلے اسی کو سفاح کے انتقال کی خبر ملی تھی مگر اس نے نہ تو خلیفہ سفاح کی رحلت پر منصور کو تعزیت نامہ لکھا۔ نہ ابو جعفر کی طرف مراجعت کی۔ نہ اس کی آمد کا انتظار کر کے اس سے مل جانے کی کوشش کی اور نہ منصور کی خدمت میں فوز

[1] و [2] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲

خلافت پر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ منصور ابو مسلم کی اس "شان بے نیازی" پر سخت کبیدہ خاطر ہوا۔ آخر ایک عتاب آلود فرمان ابو مسلم کے نام روانہ کیا۔ تب ابو مسلم نے تہنیت خلافت کی عرضداشت روانہ کی۔[1]

ابو مسلم نے صرف انہی کوتاہیوں پر اکتفا نہ کیا بلکہ دارالسلطنت انبار پہنچ کر یہ رنگ لایا کہ منصور کے برادرزادہ عیسیٰ بن موسیٰ سے مل کر اسے ابوجعفر منصور کے مقابلہ میں اپنی بیعت خلافت لینے کی ترغیب دیتا رہا لیکن عیسیٰ نے اس غدارانہ پیشکش کو سخت نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور ابوجعفر منصور بلا غل و غش مسند خلافت پر بیٹھ گیا۔[2]

اس کے بعد جب منصور کے چچا عبداللہ بن علی نے علم بغاوت بلند کیا تو گو ابو مسلم خلیفہ منصور کے کہنے سننے پر عبداللہ کے خلاف معرکہ آرا ہوا لیکن اس کا دل خلیفہ کی طرف سے صاف نہ تھا۔ جنگ عبداللہ بن علی کے بعد ایک ایسا قضیہ پیش آیا کہ جس نے اسے منصور کا کھلم کھلا مخالف بنا دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب ابو مسلم نے عبداللہ پر فتح پائی اور مال غنیمت جمع ہوا تو خلیفہ نے دارالسلطنۃ سے اپنے خادم ابو خصیب کو غنیمت کی فہرست مرتب کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جب ابو خصیب نے ابو مسلم کے لشکرگاہ میں پہنچ کر مال غنیمت کا جائزہ لینا چاہا تو ابو مسلم جامہ سے باہر ہو گیا اور عالم برآشفتگی میں کہنے لگا خلیفہ نے میرا اعتبار نہیں کیا خیر اچھا کیا"۔ اس وقت ابو مسلم کی برہمی مزاج کا درجہ حرارت یہاں

[1] و [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۲۔

تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ ابوخصیب کی جان کے درپے ہوا مگر بعد میں کچھ سوچ کے اُسے چھوڑ دیا[1]

جب یہ واقعات منصور کے گوش گزار ہوئے تو اسے ابومسلم کی طرف سے بڑی کوفت ہوئی اور یہ کوفت بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچی کہ اس نے ابومسلم کے قتل و قمع کی طرف مائل کر دیا۔ ان ایام میں ہر کس و ناکس کو اس بات کا یقین تھا کہ جب تک ابومسلم موجود ہے منصور حقیقت میں خلیفہ نہیں ہے۔ اب منصور یہ سوچنے لگا کہ ابومسلم کے متعلق کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہے یا استبداد بالرائے سے کام لینا چاہیئے۔ آخر طبیعت نے فیصلہ کیا کہ مشورہ ہی بہتر ہے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بموجب مسلم بن قتیبہ کو بلا کر اس سے صلاح پوچھی۔ ابن قتیبہ نے اس سوال کے جواب میں بے ساختہ یہ آیت پڑھی۔

لَوْكَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ — اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو دونوں تباہ و برباد ہو جاتے۔

منصور یہ معنی خیز جواب سن کر مطمئن ہو گیا اور کہنے لگا ابن قتیبہ تمہارا خیال بالکل درست ہے[2]

اب منصور یہ سوچنے لگا کہ ابومسلم پر کیونکر دسترس پائے اور یہ کانٹا کیونکر نکلے؟ ابوجعفر منصور بساطِ سیاست کا بڑا زبردست شاطر تھا۔ ایسے سیاسی جوڑ

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۳۔ [2] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۸۲۔

توڑ جانتا تھا کہ آج کل کے بڑے بڑے سیاسئین کی تدبیر و کیاست بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ منصور نے اس خیال سے کہ مبادا ابو مسلم خراسان چلا جائے اور پھر اس پر دسترس محال ہو جائے جھٹ مصر و شام کی سند گورنری لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔ لیکن ابو مسلم بھی منصور کے سیاسی ہتکنڈوں سے خوب واقف تھا۔ حقیقت حال کو فوراً بھانپ گیا اور جزیرہ سے بعزم خراسان اس کوشش میں چل کھڑا ہوا کہ کسی علوی صاحبزادہ کو خلیفہ بنا کر منصور کا حریف مقابل بنا دے[1]۔

ابو مسلم کے نام منصور کا فرمان اور اس کا جواب منصور نے یہ خبر پاکر معاً دار السلطنت انبار سے مدائن کی طرف کوچ کر دیا اور ابو مسلم کو بتاکید لکھ بھیجا کہ مجھ سے آکر ملاقات کرو کیونکہ بعض ایسے امور کے متعلق جن کا ضبط تحریر میں لانا کسی طرح قرین مصلحت نہیں تم سے مشورہ کرنا ہے۔ ابو مسلم نے اس طلب کے جواب میں لکھا:۔

> "اب امیر المومنین کا کوئی ایسا دشمن باقی نہیں رہا کہ ملک جس کے خار وجود سے پاک نہ ہو چکا ہو۔ ملوک آل ساسان کی ایک روایت ہم تک پہنچی ہے کہ وزراء و اعیان سلطنت کے لئے وہ حالت سخت خطرناک ہوتی ہے جب کہ فتنہ و فساد کی آگ ملک سے فرو ہو جائے۔ پس ہم امیر المومنین کے تقرب و باریابی سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ لیکن ہم اس وقت تک

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۳، تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۶۳

وفد بیٹھے پر ابو مخلوا رہیں گے جب تک آپ ہماری جان تک تعلق قائم رکھیں

رکھیں گے۔ البتہ اگر آپ کو ہماری صیانت و نگہداشت منظور نہ ہوگی تو

ہم بھی اس عہد کو توڑ دیں گے"

منصور نے اس مکتوب کے جواب میں لکھا:۔

"میں تمہارے معروضہ کا مطلب و مفہوم سمجھ گیا۔ تم خدانخواستہ

ان غدار وندا میں داخل نہیں ہو جو کثرت جرائم کی وجہ سے سلطنت میں

اضطراب و فساد کی خواہش کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنی عافیت اسی میں دیکھتے

ہیں کہ نظام جماعت اور شیرازہ حکومت منتشر رہے۔ مگر حیرت ہے کہ تم

نے اپنے آپ کو ان لوگوں میں کیوں شمار کر لیا؟ تم تو تا دم تحریر ہماری اطاعت

میں ثابت راسخ القدم ہو۔ ہمارے ساتھ خلوص و عقیدت رکھتے ہو"[1]

ابو مسلم منصور کی ان چکنی چپڑی باتوں سے متأثر نہ ہوا بلکہ اس مکتوب کے

جواب میں خلع خلافت کی دھمکی دی اور لکھا کہ آج تک جو میں نے خلافت عباسیہ

کی دعوت و شیوع کا گناہ کیا، اب اس سے تائب ہوتا ہوں"[2]

سلطانی قاصد کی روانگی اور اس کی کامیاب جد و جہد | ابو مسلم نے یہ مکتوب روانہ کر کے

حلوان کا راستہ لیا جب یہ خط منصور کے پاس پہنچا تو اس نے اپنے چچا عیسیٰ

بن علی اور سرداران بنو ہاشم کو بلا کر ابو مسلم کا خط دکھایا اور درخواست کی کہ آپ

لوگ متفق ہو کے ابو مسلم کو متنبہ کریں اور لکھیں کہ بغاوت کا انجام اچھا نہیں تم

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ ۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ ۔

جن خدمات کو انجام دے رہے ہو انہی میں مصروف رہو لیکن امیرالمومنین کے دائرۂ اطاعت سے قدم باہر نہ رکھو۔ غرض بنو ہاشم کا یہ مکتوب منصور کا آزاد غلام ابو حمید مروزی لے کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔[1]

منصور نے بوقت روانگی ابو حمید کو یہ سمجھا دیا تھا کہ پہلے تو ابو مسلم سے نرمی اور ملاطفت سے گفتگو کرنا اور منت سماجت کرتے ہوئے افہام و تفہیم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔ اور اگر وہ کسی تدبیر سے راہ راست پر نہ آئے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ امیرالمومنین نے قسم کھا کے کہا ہے کہ میں تمہارے خلاف لشکرکشی کا کام کسی سپہ سالار کو تفویض نہ کروں گا بلکہ بنفس نفیس اپنے ہاتھ میں لوں گا۔ اگر تم دریا میں غوطہ لگاؤ گے تو میں بھی تمہاری جستجو میں غوطہ لگاؤں گا اور اگر آگ کے شعلوں میں کود پڑو گے تو میں بھی کود پڑوں گا یہاں تک کہ تمہیں قعر ہلاکت میں ڈال دوں یا خود جان بحق تسلیم کر دوں۔"

ابو حمید نے وہاں پہنچ کر ابو مسلم کو وہ خط دیا اور نہایت لجاجت کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ قاصد نے ابو مسلم کو خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری پر مائل کرنے میں اپنی ساری قوت گویائی خرچ کی۔ ابو مسلم نے مالک بن ہیثم سے مخاطب ہو کر کہا "تم سنتے ہو یہ منصوری قاصد کیا کہتا ہے؟ مالک کہنے لگا آپ اسکے پیچھے مت آئیے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ خلیفہ کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کو فوراً نہنگ شمشیر کے حوالے کر دے گا۔" ابو مسلم یہ سن کر سہم گیا۔ اس کے بعد عامل

[1] ابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴، مسعودی نے قاصد کا نام جریر بن یزید بجلی لکھا ہے۔

رے سے جو وہاں موجود تھا مشورہ کیا۔ اُس نے بھی اس کو خلیفہ کے پاس جانے سے منع کیا۔ آخر ابو مسلم نے ابوحمید سے کہہ دیا کہ میں خلیفہ کے پاس نہیں جا سکتا۔ جب ابو مسلم نے قطعاً انکار کر دیا تو ابو حمید نے خلیفہ کا زبانی پیغام پہنچانا شروع کیا۔ یہ پیام سُن کر ابو مسلم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اس سے پیشتر خلیفہ نے ابوداؤد کو جو ابو مسلم کی طرف سے خراسان کا گورنر مقرر تھا ابو مسلم سے قطع تعلق کر کے براہ راست دربار خلافت سے تعلقات استوار کرنے کو لکھا تھا اور اطاعت و فرمان پذیری کی صورت میں اپنی طرف سے کسی صوبہ کی گورنری عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ابوداؤد نے اس کو در پردہ منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد نے بھی انہی دنوں ابو مسلم کو خلیفہ کی مخالفت و بغاوت سے احتراز کرنے کے متعلق ایک مکتوب لکھا۔ اتفاق سے یہ مکتوب ابو مسلم کے پاس اس وقت پہنچا جب ابوحمید خلیفہ کا زبانی پیام دے رہا تھا۔ باوجودیکہ ابو مسلم شجاعت و بسالت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا لیکن اس خط کے مطالعہ سے اس کے دل میں بھی اندازہ ہول سما گیا۔ اب ابوحمید سے کہنے لگا کہ میں نے خراسان جانے کا عزم صمیم کر لیا تھا لیکن اب یہی مناسب معلوم ہوتا کہ اپنے معتمد ابو اسحاق کو امیر المومنین کی خدمت میں ان کے جواب کے لئے بھیج دوں۔

جب ابو اسحاق مدائن کے قریب پہنچا تو سردارانِ بنی ہاشم اور دوسرے

اعیان دولت استقبال کو آئے۔ خلیفہ نے اُسے کمال عزت و احترام کے ساتھ اپنے قرب میں جگہ دی۔ خلیفہ نے دوران گفتگو میں ابواسحاق سے کہا کہ اگر تم ابومسلم کو خراسان جانے سے باز رکھ کر کسی طرح میرے پاس بھجوادو تو میں خراسان کی ولایت تمہارے زیر حکومت کر دونگا۔ ابواسحاق کے دل میں خراسان کی موعودہ حکومت نے طرح طرح کی امنگیں پیدا کر دیں۔ چنانچہ وعدہ کیا کہ جس طرح بن پڑے گا ابومسلم کو دربار خلافت میں پہنچاؤں گا۔ ابواسحاق خلیفہ سے رخصت ہو کر ابومسلم کے پاس آیا اور اسے طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر منصور کے پاس جانے پر راضی کر لیا۔ چنانچہ ابومسلم اپنے لشکر کو مالک بن ہشیم کے ماتحت چھوڑ کر تین ہزار فوج کے ساتھ مدائن کی طرف جہاں خلیفہ قیام پذیر تھا روانہ ہو گیا۔

ابومسلم آستانہ خلافت پر

جب ابوایوب وزیر السلطنت نے ابومسلم کو آن بان کے ساتھ آتے دیکھا تو اُسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ مبادا ابومسلم کی فوج کوئی ایسا فتنہ کھڑا کر دے جو خلیفۃ المسلمین کے لئے خطرناک ثابت ہو۔ اس خطرہ سے نجات پانے کی ایک تدبیر نکالی اور وہ یہ تھی کہ ابومسلم کے ہم قوموں میں سے ایک شخص کو طلب کر کے اس سے کہنے لگا کہ تم ابومسلم کے پاس چلے جاؤ اور اس کی وساطت سے خلیفۃ المسلمین کے حضور میں باریاب ہو کر اپنے لئے ولایت کسکر کی سفارش کراؤ۔ وہاں سے اتنی دولت ملے گی کہ مالا مال ہو جاؤ گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس نفع میں مجھے بھی شریک کرنا اور اس کام میں

انتہائی مساعدت و شتاب زدگی سے کام لو کیونکہ امیر المومنین ابو مسلم کے پہنچتے ہی اس کا انتظام کرنے والے ہیں۔

وہ شخص اسی دم پٹی میں آ گیا۔ ابو ایوب نے فوراً خلیفہ سے مل کر اس شخص کے لئے ابو مسلم سے ملاقات کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ شخص سر راہ ابو مسلم سے ملاقی ہوا اور اس واقعہ سے اس کو مطلع کر کے خلیفہ سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ یہ دیکھ کر ابو مسلم کا ساغر دل خوشی سے چھلک گیا۔ دل کی شگفتہ منزل میں رنج و اضطراب کا کوئی شائبہ باقی نہ رہا۔ جب ابو مسلم کے مدائن کے قریب پہنچنے کی خبر آئی تو حسب احکام خلافت سرداران بنو ہاشم خیر مقدم کو نکلے۔ ابو مسلم نے حریم خلافت میں حاضر ہو کر خلیفہ کی دست بوسی کی اور استراحت کی اجازت حاصل کر کے واپس چلا آیا۔

قتل و استہلاک کی حیلہ جوئیاں جب ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ کی صبح نمودار ہوئی تو منصور نے اپنے حاجب عثمان بن نہیک اور چار دوسرے دربانوں کو بلوایا اور ان کو پس پردہ بٹھلا کے یہ ہدایت کر دی کہ جس وقت میں تالی بجاؤں تم ابو مسلم کو موت کے گھاٹ اتار دینا۔ اس انتظام کے بعد ابو مسلم کو بلایا گیا۔ باتوں ہی باتوں میں ابو جعفر منصور نے ان دو تلواروں کا تذکرہ چھیڑ دیا جو ابو مسلم کو خلیفہ کے باغی چچا سے ملی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت ابو مسلم نے ان میں سے ایک تلوار اپنی کمر سے باندھ رکھی تھی۔ ابو مسلم نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ

تلوار انہی دو میں سے ایک ہے۔ منصور نے کہا لاؤ ذرا میں بھی دیکھوں ابو مسلم نے تلوار کھول کر منصور کو دے دی۔ منصور تھوڑی دیر تک اسکو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اسے اپنے پیچھے فرش پر رکھ دیا۔ پھر سلسلۂ کلام شروع کیا اور دوران گفتگو میں عتاب آمیز لہجہ اختیار کر لیا اور کہنے لگا۔ کیوں ابو مسلم تم نے خلیفہ سفاح کو نزولی زمینوں کو نہ لینے کے لکھا تھا؟

ابو مسلم۔ ہاں مجھے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ امر اُن کے لئے جائز نہ ہوگا لیکن اس کے بعد مَیں نے اس خیال کو مدنظر رکھ کر انہی کے فرمان کے بموجب عمل کیا کہ آپ حضرات کا دودمانِ نبوّت معدنِ علم ہے۔

منصور۔ اچھا تم اس کی وجہ بتاؤ کہ تم سفر حج میں میرے آگے آگے کیوں بڑھتے گئے؟

ابو مسلم۔ مجھے یہ بات کچھ پسندیدہ معلوم نہ ہوئی کہ ہم اور آپ ایک چشمہ پر جمع ہوں۔

منصور۔ کیا تم یہ تبلا سکتے ہو کہ جب تم کو خلیفہ سفاح کے انتقال کی خبر ملی تھی تو کون سی چیز تمہیں میری طرف مراجعت کرنے یا قیام کر دینے سے مانع تھی؟ اگر تم ٹھہرتے جاتے تو میں ہی تمہارے پاس پہنچ جاتا۔

ابو مسلم۔ مَیں نے لوگوں کی نفع رسانی اور آپ سے پیشتر کوفہ پہنچنے کے خیال سے عود یا قیام نہ کیا۔

منصور۔ اچھا تم نے میرے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی اور تم خراسان کیوں جا رہے تھے؟

ابو مسلم۔ میں اس خیال سے عازم خراسان ہوا تھا کہ وہاں سے عذر خواہی کر کے آپ سے صفائی کر لوں گا۔

منصور۔ اچھا وہ زر و مال کہاں ہے جو تم نے حرّان کی لوٹ میں جمع کیا تھا؟

ابو مسلم۔ میں نے وہ مال استمالت سپاہ کی غرض سے لشکریوں میں تقسیم کر دیا۔

منصور۔ کیا تو مراسلات میں اپنا نام میرے نام سے پہلے نہیں لکھا کرتا؟ کیا تو نے میری پھوپھی آسیہ بنت علی سے نسبت نہیں ٹھہرائی؟ کیا تو اس بات کا مدعی نہیں ہے کہ تو سلیط (بن عبداللہ بن عباس) کا پوتا ہے؟ اللہ، اللہ تو نے اپنی بساط سے بڑھ کر قدم مارا۔ رو سیاہ تو نے نہایت سنگلاخ راستہ اختیار کیا!"

ہنوز ابو مسلم جواب نہ دینے پایا تھا کہ منصور نے پھر غیظ و غضب کے لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

منصور۔ کیوں بے خود سر! تو نے سلیمان بن کثیر کو کیوں ناحق قتل کیا؟ کیا وہ ہمارا ہوا خواہ نہ تھا؟ کیا وہ اس زمانہ سے ہمارا نقیب نہ تھا جبکہ تو ابھی ہمارا شریک کار ہی نہ ہوا تھا؟

ابو مسلم۔ چونکہ اس نے میری مخالفت کی، میں نے اسے ہلاک کر دیا۔

یہ سُن کر منصُور کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہوگیا لیکن کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اُبُومسلم جرأت کرکے بُول اُٹھا، جناب والا! یہ میری اُن خدمات اور حسن کارکردگی کا صلہ ہے جو اس وقت تک دولت عباسیہ کے قیام و ترقی کے لئے انجام دیتا رہا۔

منصُور (ڈانٹ کر) اے ناہنجار! اگر تیری جگہ پر کوئی اور ہوتا تو میں اُس کو کارگزاریوں کا صلہ دیتا لیکن یہ تو بتا کہ تو نے کیا کیا؟ کیا ہماری بدولت تو نے گلچھرے نہیں اُڑائے؟ اے ذرہ بے قدر کیا تو ہمارے صدقہ سے ترقی پاکر آسمان شہرت پر نہیں چمکا؟

ابُومسلم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور سر جھکا کر منصُور کے ہاتھ کو بوسہ دینے اور معذرت کرنے لگا۔ مگر منصور کی آتشِ غضب زلالِ عجز و انکسار سے منطفی نہ ہوئی، بلکہ اس کا جوشِ قہر دمبدم ترقی کر رہا تھا۔

یہ رنگ دیکھ کر ابُومُسلم بھی جامہ سے باہر ہوگیا اور عالم برافروختگی میں کہنے لگا، جائیے مجھے آپ کی پروا نہیں۔

ابُومُسلم پر قاتلانہ حملہ یہ سُن کر منصُور نے اس کو دشنام دی اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا۔ تالی کا بجنا تھا کہ محافظ پردہ سے نکل آئے۔ عثمان بن نہیک نے لپک کر ابُومسلم پہ ایک وار کیا۔ ابُومسلم نے سراسیمہ ہو کر کہا۔ امیرالمومنین! مجھے اپنے دشمن کے لئے زندہ رہنے دیجئے۔ منصُور نے کہا اگر میں تم ایسے خوفناک دشمن

کو پناہ دُوں تو خدائے عزیز و برتر مجھے ہلاک کرے۔ اس فقرہ کے ختم ہوتے ہی دربانوں نے تلواریں سونت لیں اور ابو مسلم پر جھپٹ پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو مسلم کے کلیجہ سے ایک آہ نکلی اور کسی دل دوز تیر کی طرح کلیجے ہی میں ٹوٹ کے رہ گئی۔ حملہ آوروں نے اُسے آناً فاناً عدم کی خوابگاہ میں سُلا دیا[1]

یہ واقعات عبرت و بصیرت کی درس گاہ ہیں۔ جو کوئی اپنی بساط سے بڑھ کر قدم مارتا ہے اور اپنی قدر و حیثیت کو نہیں پہچانتا اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔ نیرنگیٔ فلک کے کرشمے دیکھو کہ وہی ابو مسلم جس کی ہیبت سے بڑے بڑے گردن فراز سپہ سالار لرز جاتے تھے اس کا لاشہ کس بے بسی اور بے چارگی کا مرقع پیش کرتا ہے کہ آج دنیا کا کوئی متنفس اس پر آنسو بہانے والا موجُود نہیں ہے۔

ابو مسلم کے مارے جانے کے بعد وزیر السلطنت باہر آیا اور ابو مسلم کے ساتھیوں کو دھمکی دیکر واپس کر دیا کہ امیر صاحب ابھی کچھ دیر تک خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں رہیں گے۔ تم لوگ اپنے اپنے قیام گاہ پر واپس جاؤ۔ یہ سُن کر ابو مسلم کے لشکری قصر شاہی سے چلے آئے۔

اس کے بعد خلیفہ نے جعفر بن حنظلہ کو طلب کر کے اس سے قتل ابو مسلم کے متعلق صلاح پوچھی۔ جعفر نے اس کے قتل کی رائے دی۔ منصور نے خوش ہو کر کہا۔ جزاک اللہ۔ جونہی جعفر کی نظر منصور کی داہنی جانب پڑی،

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحات ۱۸۲ تا ۱۸۴

ابو مسلم کا لاشہ دیکھ کر جوش مسرت سے کہنے لگا۔ امیر المومنین، آج سے آپ کی سلطنت کو استحکام ہُوا۔

تھوڑی دیر کے بعد ابو مسلم کے ماتحتوں میں سے ابو اسحاق کو طلب کیا گیا۔ ابو اسحاق پر ابو مسلم کا اتنا رعب چھایا تھا کہ اس کے متعلق اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ منصور نے تشفی دے کر کہا جو کچھ تمہارے جی میں ہو بے خوف و خطر بیان کرو۔" اس کے بعد ابو مسلم کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا دیکھو خدائے قاہر نے اس جفا کار کو ہلاک کر دیا۔ ابو اسحاق یہ سُن کر سجدۂ شکر بجالایا اور سر اٹھا کر عرض پیرا ہُوا۔ منعم حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج امیر المومنین کی امن کوشی نے مجھے امن و تسکین کی زندگی نصیب کی۔

اس کے بعد ابو اسحاق کہنے لگا۔ امیر المومنین میری یہ حالت تھی کہ جب کبھی ابو مسلم کے پاس آتا تھا تو کفن پہن کے اور خوشبو لگا کے آتا تھا۔ یہ کہہ کر جھٹ اپنا جبہ اتارا اور خلیفہ نے دیکھا کہ وہ اس کے نیچے واقعی کفن پہنے اور خوشبو لگائے تھا۔ خلیفہ کا دل ابو اسحاق کی مظلومی و بے بسی پر بھر آیا اور کہنے لگا خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی رحمت سے تمہیں عافیت دی۔ اس کے بعد خلیفہ نے ابو مسلم کے ماتحتوں کو انعامات سے سرفراز فرمایا جن میں سے ابو اسحاق کو ایک لاکھ درہم عطا ہوئے [1]۔

حادثۂ قتل کے بعد منصور نے ابو نصر مالک بن ہیثم کے نام ابُو مسلم کی طرف

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۴

سے اس مضمون کا ایک خط لکھوایا کہ جس قدر مال و املاک میں تمہارے پاس چھوڑ آیا ہوں وہ میرے پاس روانہ کر دو۔ اور اس کے بعد خود بھی چلے آؤ۔"
ابو مسلم نے ابو نصر کو بوقت روانگی یہ تلقین کر دی تھی کہ اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ایسا خط پہنچے جس پر پوری مہر لگی ہو تو یہ سمجھ لینا کہ میں اس کا فرستندہ نہیں ہوں۔ چونکہ منصور کے فرستادہ خط پر پوری مہر ثبت تھی ابو نصر بھانپ گیا کہ خط خلیفہ منصور کا لکھوایا ہوا ہے۔ وہاں سے وہ خراسان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جب ہمدان پہنچا تو زہیر بن ترکی حاکم ہمدان نے اسکو گرفتار کر لیا۔ لیکن اس کے بعد ابو نصر رہا ہو کر از خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کا قصور معاف کر کے اسے موصل کی حکومت پر فائز کر دیا۔[1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۴

بغاوتیں!

سنباد کی بغاوت | اسی سال جبکہ ابو مسلم خراسانی طعمۂ اجل ہوا ہے سنباد نام ایک مجوسی جو موضع اہروانہ ضلع نیشاپور کا رہنے والا تھا اور جسے فیروز اصبہند بھی کہتے تھے خراسان میں خروج کر کے ابو مسلم کے خون کا طالب ہوا۔ اس کے پیروؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی جن کی مدد سے اس نے نیشا پور، قومس اور رَے پر عمل ودخل کر لیا۔ جب رَے پہنچا تو اس خزانہ پر بھی قبضہ جما لیا جو ابو مسلم نے خلیفہ ابو العباس سفاح کے پاس جاتے وقت رَے میں چھوڑا تھا۔ سنباد نے رعایا کے زر و مال پر دست تطاول دراز کیا۔ بیشمار مسلم خواتین کو گرفتار کر کے لونڈیاں بنا لیا اور اعلان کر دیا کہ وہ جلد مکہ جائیگا اور کعبہ کو منہدم کر کے ابو مسلم کے خون کا انتقام لے گا۔

جب خلیفہ کو اس شورش کی اطلاع ملی تو سنباد کی سرکوبی کے لئے جمہور بن مرار عجلی کو دس ہزار سوار دے کر روانہ کیا۔ ہمدان اور رَے کے مابین دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جمہور نے کمال مردانگی سے لڑ کر غنیم کو ہزیمت دی۔ سنباد کے ہزارہا آدمی مارے گئے۔ جمہور نے نہ صرف ستم رسیدہ مومنات کو غنیم کے دست ظلم سے رہائی دلائی بلکہ دشمن کی بیشمار

عورتوں کو ازراہ انتقام گرفتار کر لیا۔ سنباد نے طبرستان کی طرف بھاگ کر جان بچانی چاہی لیکن اس اجل رسیدہ کو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ عامل طبرستان کے ملازم نے اُس کو موت کے گھاٹ اتار کے اُسے زندگی کی رسوائی سے نجات بخشی[1]

راوندیہ کا خروج | ۱۴۱ھ میں راوندیہ کا ظہور ہوا۔ یہ لوگ خراسان کے رہنے والے، ابومسلم کے متبع، تناسخ وحلول کے قائل تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ آدم صفی اللہ کی رُوح نے خلیفہ منصور کے دربان عثمان بن نہیک کے جسم میں حلول کیا ہے اور خلیفہ ابوجعفر منصور اُن کا رزاق اور ربّ کردگار ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہشیم بن معاویہ جبرئیل امین ہے۔

جب یہ "خوش عقیدہ" لوگ دارالخلافہ ہاشمیہ میں ظاہر ہُوئے تو قصر خلافت کے سامنے پہنچ کر بآواز بلند کہنے لگے "یہی ہمارے پروردگار کا مسکن ومستقر ہے"۔ خلیفہ نے ان میں سے دوسو آدمیوں کو گرفتار کرا کے عبرت کدہ زندان میں ڈال دیا[2]

یہ دیکھ کر دوسرے راوندیہ برافروختہ ہُوئے۔ بڑی تعداد میں جمع ہُوئے اور اس خیال سے کہ محافظین سجن کو کسی قسم کا شک نہ گزرے کہیں سے کوئی نعش حاصل کرکے زندان کی طرف اس انداز سے روانہ ہُوئے کہ گویا جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ جب قید خانہ کے پاس پہنچے تو دروازہ کے پاس نعش کو پھینک

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ + [2] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۷، ابن خلدون جلد ۳

دیا اور اندر گھس کر کمال چابک دستی کے ساتھ اپنے محبوس ساتھیوں کو باہر نکال لائے۔

اس کے بعد چھ سو آدمیوں کی جمعیت نے شاہی محل کا رُخ کیا۔ دربان نے ان کا معاندانہ رویّہ دیکھ کر قصرِ خلافت کا دروازہ بند کر لیا اور شہر کے دروازے بھی مسدود ہو گئے اس لئے وہ اندر داخل نہ ہو سکے لیکن خلیفہ منصور کمال شجاعت کے ساتھ بلا خوف و خطر قصر سے باہر نکل آیا اور جھٹ ایک خچر پر سوار ہو کر ان کی طرف بڑھا۔ خشم آلود باغیوں نے خلیفہ کو معبودِ برحق یقین کرنے کے باوجود اس کی جان ستانی کا قصد کیا۔ خلیفہ نے بھی اپنی دلاوری کے خوب جوہر دکھائے اور پے در پے حملے کر کے باغیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

معن بن زائدہ شیبانی جو وہاں سے قریب ہی موجود تھا خلیفہ کو تنہا دیکھ کر پیادہ پا ایک جانستاں تیر کی طرح راوندیہ پر جا پڑا۔ وہ ہر مرتبہ دشمن میں گھس جاتا تھا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے واپس آجاتا تھا۔ اس اثنا میں وہ لڑتا بھڑتا خلیفہ کے نزدیک جا پہنچا۔ اس وقت منصور کے خچر کی لگام ربیع نام ایک دربان کے ہاتھ میں تھی۔ معن اس سے کہنے لگا تم ہٹ جاؤ۔ حالتِ موجودہ میں اس لگام کے تھامنے کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ معن نے ربیع کے ہاتھ سے لگام لے لی اور نہایت بے جگری اور اولوالعزمی کے ساتھ غنیم کی مدافعت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ راوندیہ مغلوب و منہزم ہو گئے۔

منصور نے اس وقت تک معن کو نہ پہچانا تھا۔ اس سے دریافت کرنے لگا تم کون ہو؟ معن جو اس حادثہ فاجعہ کے وقت اچانک نمودار ہو گیا تھا بہت دنوں سے رُوپوش تھا کیونکہ اُس نے ابن ہبیرہ کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی اور خلیفہ بہت دنوں سے اس کی تلاش میں تھا۔ خلیفہ کے استفسار پر معن نے اپنا نام ونسب بتایا۔ خلیفہ نے جو اس کی جانسپاری پر بڑا خوش ہوا تھا جرم بخشی کر دی۔ ان حوادث میں عثمان بن نہیک کے ایک تیر لگا جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے اس کے مرنے کے بعد اس کے حقیقی بھائی عیسٰی بن نہیک کو اپنی سپاہ جاں نثار کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔

بغاوت راوندیہ کے فرو ہونے کے لئے منصور نے معن کو طلب کر کے اس کو اپنے قرب میں جگہ دی اور دیر تک اس کی جاں نثاری پر ثنا گستر رہا معن کہنے لگا امیر المومنین میں نے ڈرتے ڈرتے میدان مبارزت میں قدم رکھا تھا۔ جب دیکھا کہ ظل اللہ تنہا ہیں اور دشمن چاروں طرف سے نرغہ کر رہا ہے تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، بیتابانہ نکل پڑا۔ خلیفہ نے اُسے دس ہزار درہم عطا کر کے اپنی عملی قدردانی کا ثبوت دیا اور ولایت یمن کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیا[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸

ہندوستان پر اسلامی ترکتازیاں

عامل سندھ کی سرتابی | ظہور اسلام کے بعد جب کشور انسانیت کی از سر نو تعمیر ہوئی اور ظلمت کدۂ عالم میں نور و ضیاء کا دور رحمت شروع ہوا تو علم برداران توحید نے دنیا کو اسلامی تہذیب و تمدن سے روشناس کرانے کے لئے تسخیر ممالک کا قصد کیا۔ دوسرے قریب ترین ممالک کی طرح ہندوستان کو طوق وثنیت سے نجات دلانے کا خیال خلافت راشدہ ہی کے عہد سعادت میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عامل عراق عبداللہ بن عامر کو لکھ بھیجا کہ وہ کسی ایسے شخص کو ہندوستان بھیجے جو وہاں کے حالات دریافت کر کے بارگاہ خلافت میں رپورٹ کرے چنانچہ عامل عراق نے ایک شخص حکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان جانے کا حکم دیا۔

مگر معلوم نہیں کہ یہ شخص فی الواقع ہندوستان آیا یا نہیں؟ اور اگر آیا تو کس جگہ آیا اور کسی ساحلی یا کوہی مقام سے آگے بھی قدم رکھا یا نہیں؟ بہرحال اس نے دار الخلافہ مدینہ جا کر ہندوستان کے متعلق جو رپورٹ پیش کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس شخص کا ہندوستان میں گزر ہی نہیں ہوا اور وہ فی الحقیقت اس ملک میں وارد ہوا تو وہ سخت قلیل الفکر، قصیر العقل

اور بادی الرّائے شخص تھا جس نے کسی جنگل، ریگستان یا سنگلاخ خطہ کو دیکھ کر سارے ہندوستان کے متعلق ایک غلط اور سطحی رائے قائم کرلی اور چل دیا۔

بہرحال جب امیر المومنین عثمانؓ نے اس سے یہاں کے حالات دریافت کئے تو کہنے لگا کہ ہندوستان میں پانی کمیاب اور میوے خراب ہیں اور وہاں کے چور بڑے جری ہیں۔ اگر حملہ آور سپاہ قلیل ہوگی تو تباہ ہو جائے گی اور کثیر ہوگی تو فاقہ کشی کی نذر ہوجائے گی۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کو روانگی جیش کا خیال فسخ فرما دیا[1]۔

۳۹ھ کے آغاز میں جب کہ امیر المومنین علیؓ سریر آرائے خلافت تھے حارث بن مرہ عبدی نے جناب اسد اللہ الغالبؓ سے اجازت لے کر اپنی خوشی سے ہند پر تاخت کی۔ یہ سب سے پہلا اسلامی حملہ تھا جو سرزمین ہندوستان پر ہوا۔ پس یہ خیال کہ سب سے پہلا مسلمان ترکتاز جس نے ہندوستان کو اسلام کے نام سے روشناس کرایا محمد بن قاسم تھا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

جب ۴۴ھ کا دور آیا تو امیر معاویہ کے عہد خلافت میں مہلّب بن ابوصفرہ ہندوستان میں داخل ہوکر بنّوں اور لاہور پر حملہ آور ہوا۔ اور یہاں کے حکمرانوں سے لڑ بھڑ کر واپس گیا۔ گو مہلّب قیام حکومت کی جدوجہد میں کامیاب نہ ہوا لیکن یہ حملہ مستقبل قریب میں ہندوستان کے اندر اسلامی

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۲

سلطنت کے قیام کا گویا پیش خیمہ تھا۔ اسی طرح معاویہ رضؓ کے عہد میں سوار عبدی نے قیقان پہنچ کر جنگ آزمائی کی اور واپس گیا۔

پھر امیر معاویہؓ ہی کے عہد میں سنان بن سلمہ ہذلی نے ہندوستان کی طرف فوجوں کو حرکت دے کر مکران فتح کیا اور کچھ مدّت تک قیام کر کے وہاں کا نظم ونسق درست کیا۔ انہی دنوں میں عباد بن زیاد سجستان کی طرف سے بڑھا اور قندھار کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات کے بعد مکران اور قندھار جو گمان غالب ہے کہ اس سے پیشتر حکومت ہند کے زیر نگین تھے حکومت عراق سے وابستہ ہو گئے۔ چنانچہ خلیفہ عبدالملک بن مروان اموی کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف عامل عراق نے سعید بن اسلم کلائی، مجاعہ بن سعر تمیمی اور محمد بن ہارون نمری کو یکے بعد دیگرے مکران اور سرحد کی حکومت پر سرفراز کیا[1]۔

سرزمین سندھ اسلام کے ظلِ عاطفت میں | خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حجاج بن یوسف عامل عراق کے بھتیجے محمد بن قاسم نے ۹۵ھ میں سندھ اور ملتان تک سارا حصۂ ملک مسخر کر کے اسلامی قلمرو میں باقاعدہ داخل کر لیا۔ محمد ابھی ملتان ہی میں تھا کہ اس کے پاس حجاج کے مرنے کی خبر آگئی اس لیے اس نے ممالک مفتوحہ کا انتظام درست کر کے عراق کو مراجعت کی[2]۔

---

[1] فتوح البلدان علامہ بلاذری صفحہ ۴۳۲ تا ۴۳۵۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحات ۶۰، ۶۶ و تاریخ الخلفاء سیوطی ترجمہ ولید بن عبدالملک۔

اس کے بعد ہندوستان کا یہ حصّہ بنو مروان کے عمل و دخل میں اور مروانیوں کے زوال کے بعد خلفائے عباسیہ کے حیطۂ تصرف میں رہا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنو امیہ اور ان کے جانشینوں کی حکومت کبھی سندھ سے آگے نہیں بڑھنے پائی۔

خلیفہ سفاح کی عملداری میں سندھ کا گورنر منصور بن جمہور تھا لیکن وہ خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ جب سفاح کو اس کی بغاوت و خودسری کی اطلاع ہوئی تو اپنے پولیس افسر موسیٰ بن کعب کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ موسیٰ اور منصور باہم نبرد آزما ہوئے۔ منصور شکست کھا کر بھاگا اور ریگستان میں شدت تشنگی سے ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ اس کے نقش حکومت کو محو کر کے گورنری کی خدمات انجام دینے لگا۔

موسیٰ کے بعد اس کا بیٹا عُیینہ سندھ کا والی مقرر ہوا لیکن اس نے بعض خودغرض افراد کی اغواکوشیوں سے متاثر ہو کر ۱۴۲ھ میں علم بغاوت و خودسری بلند کر دیا۔ جب خلیفہ ابو جعفر منصور کو اس کی خبر لگی تو اس نے عمرو بن حفص کو سندھ کی گورنری عطا کر کے جنگ عُیینہ پر متعین کیا۔ عمرو نے عیینہ کو مغلوب و مقہور کر کے سندھ پر قبضہ کر لیا[1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۹۸ - ۲۰۲ و ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۹

محمد مہدی معروف بہ نفسِ زکیّہ
کی
رزم خواہی

یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ اسلام کے جسد قومیت پر آج تک جو چرکے لگے ہیں وہ اغیار کے ہاتھوں سے اس کثرت و تنوع سے نہیں لگ سکے جس قدر کہ اسے اپنوں سے نقصان پہنچا ہے۔ خلیفہ منصور کے زمانے میں خلافتِ اسلامی کی تقریباً ساری قوت مقامی بغاوتوں ہی کی نذر ہو گئی اور افسوس ہے کہ ان خانہ جنگیوں کی باد صرصر نے ہماری قومی انجمن کی ایسی ایسی نورانی شمعیں بھی گل کر دیں جن کا پرتوِ ضمیر ظلمت کدۂ عالم کو منور کر رہا تھا۔

امام حسن مثنیٰ (بن حضرت حسنؓ بن امیر المومنین علیؓ) کے دونوں پوتے محمد مہدی معروف بہ نفس زکیہ اور ابراہیم اپنے عہد کے نہایت مقدس نفوس گزرے ہیں۔ ان دونوں صاحبزادوں نے خلیفہ منصور کے خلاف علمِ مخالفت بلند کر کے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے اور داد شجاعت دیکر میدان جانستاں کی نذر ہو گئے۔

نفس زکیہ کی انحراف ورزی کے وجوہ منصور سے نفس زکیہ اور ابراہیم کی مخالفت کے اسباب دریافت کرنے میں بعض مؤرخوں کو بہت کچھ کدوکاوش کرنی پڑی ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت کی باگ بنو مروان کے ہاتھ میں چلی گئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد ہاشمی حضرات جن میں عباسی، فاطمی اور علوی سب داخل تھے باہم متفق ہو کر ہاشمی خلافت کے قیام کی مخفی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ میں حربی قوت بہم پہنچا کر حضرت زید (بن امام زین العابدین) نے ۱۲۱ھ میں اور یحییٰ بن زید نے ۱۲۵ھ میں مروانی خلفاء کے مقابلہ میں علم مخالفت بلند کیا مگر کامیابی نہ ہوئی اور دونوں باپ بیٹا یکے بعد دیگرے میدانِ کارزار میں دادِ مردانگی دے کر موت سے ہم آغوش ہو گئے۔

جب ہاشمیوں کے سیاسی مقتدا ابراہیم امام نے حران کے قید خانہ میں انتقال کیا تو عباسیوں نے اس غم میں سیاہ لباس پہنا اور اسی دن سے سیاہ رنگ عباسیوں کا قومی نشان قرار پایا۔ اس کے بعد تمام ہاشمیوں نے سفاح کو اپنا امیر و سرخیل منتخب کر لیا۔

لیکن سفاح نے حصول بادشاہت کے بعد خلافت اسلامیہ کو ہاشمیوں میں سے صرف بنو عباس کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ ابوجعفر منصور کو اپنا اور اپنے برادر زادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو منصور کا ولیعہد مقرر کیا۔ اس تخصیص سے فاطمی اور علوی حلقوں میں عباسیوں کے خلاف ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ اب عباسیوں

کے مقابلہ میں سادات کی رگوں میں بھی قومی ترقی کا خون سرسرایا اور دل نئی نئی امنگوں سے معمور ہونے لگے۔ آل ابوطالب نے سفاح کے عہد خلافت میں تو کوئی جنبش نہ کی لیکن منصور کے تخت شاہی پر قدم رکھنے کے بعد اُن کا مرکب عمل بھی حرکت میں آگیا۔ چنانچہ ۱۴۵ھ میں محمد مہدی عرف نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے منصور کے مقابلہ میں عَلَم خودسری بلند کیا۔

ابن خلدون کے بیان سے محمد مہدی اور ابراہیم کی وجہ مخاصمت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ تمام بنوہاشم نے محمد کو جو مہدی اور نفس زکیہ کے القاب سے مشہور تھے اپنا خلیفہ منتخب کیا تھا جن کے ہاتھ پر منصور نے بھی بیعت کی تھی چنانچہ ابن خلدون رقمطراز ہے،۔

"جس وقت بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی سلطنت میں اضطراب وتزلزل رُونما ہوا، بنوہاشم نے انتخاب خلیفہ کے لئے ایک مجلس مشاورت قائم کی۔ آخرالامر تمام حاضرین نے حسن مثنیٰ کے پوتے محمد مہدی بن عبداللہ معروف بہ نفس زکیہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اس رات محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی، منصور بھی ان میں داخل تھا[1]"

لیکن جس صورت میں کہ مؤرخوں کے متفقہ بیان کے بموجب محمد بن علی (بن عبداللہ بن عباسؓ) کی رحلت کے بعد تمام عباسیوں نے ابراہیم کو اپنا

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۷

امام منتخب کر لیا تھا اور اس کے بعد سفاح کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی تھی اور مروانی حکومت کے ایام اختلال میں عباسی مناد آل عباس کے حق میں نہایت کامیاب نشریہ کر رہے تھے تو یہ بیان کسی طرح قرین قیاس اور اقرب الی الصواب نہیں معلوم ہوتا کہ ابوجعفر منصور یا عباسیوں کے کسی دوسرے رکن نے محمد بن علی یا ابراہیم کی بیعت کے ساتھ ہی نفس زکیّہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کی ہو۔

بہر حال خلیفہ سفاح اور ابوجعفر منصور ان دونوں بھائیوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کو یقین تھا کہ وہ جلد یا دیر میں ضرور سر اٹھائیں گے۔ چنانچہ خلیفہ سفاح کے عہد حکومت میں جب ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ میں بغرض حج مکہ معظمہ گیا تو بنو ہاشم کے تمام اعیان و عمائد منصور کی ملاقات کو آئے لیکن محمد اور ابراہیم مفقود رہے۔ منصور اس مدت قیام میں ان دونوں بھائیوں کے متعلق برابر استفسار کرتا رہا۔ مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ یہ دونوں بھائی منصور کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے[1]

نفس زکیہ کی تلاش جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس کے بعد محمد کے متعلق بنو ہاشم سے درپردہ تفحص حالات کرتا رہا۔ یہ لوگ عموماً یہ جواب دیتے تھے کہ چونکہ آپ نے اس کی جستجو کو حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے وہ بخوف جان کہیں مستور ہو گیا ہے۔

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۷۔

شخصی حکومتوں میں بادشاہ کو ہمیشہ یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ مبادا حریف مقابل قوت بہم پہنچا کر اس کے نظام حکومت کو درہم برہم کر دے۔ منصور کو بھی محمد مہدی کی طرف سے یہی کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اُن کا پتہ لگانے کے لئے حجاز کے طول و عرض میں جاسوسی کا وسیع جال پھیلا دیا۔ کوئی مقام، کوئی گزرگاہ، کوئی چشمہ ایسا نہ تھا جہاں منصور کے جاسوس محمد کی ٹوہ میں نہ لگے ہوں۔ کچھ مدت اسی طرح گزر گئی۔ جب منصور کو اس میں کامیابی نہ ہوئی تو محمد کے طرف داروں کی جانب سے اس مضمون کا ایک خط محمد کے نام لکھوایا کہ تم نہایت عجلت کے ساتھ خلیفہ منصور کی اطاعت کر لو اور پھر اس خط کو جاسوس کے ہاتھ محمد کے والد عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ کے پاس بھیج دیا اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ خط واقعی اُن کے ہوا خواہوں نے بھیجا ہے کچھ زر و مال بھی اس کے ساتھ کر دیا۔[۱]

ان دنوں نفس زکیہ کوہ جہینہ میں قیام پذیر تھے۔ قاصد عبداللہ کے پاس آ کر بہت کچھ اظہار عقیدت و خلوص کرنے لگا۔ غریب عبداللہ کیا جانتے تھے کہ جاسوس ہمیشہ مخلصوں اور نیازمندوں کے لباس فریب میں ظاہر ہوا کرتے ہیں قاصد سے کہنے لگے تم علی بن حسن کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں محمد کے پاس جبل جہینہ میں پہنچا دیں گے۔ قاصد ان کے بھائی علی بن حسن مثنیٰ کے پاس گیا اور انہوں نے اسے محمد کے پاس پہنچا دیا۔

منصور کا ایک کاتب (سیکرٹری) در پردہ محمد کا حامی تھا۔ جب منصور نے

[۱] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۰

عبداللہ کے نام جعلی مکتوب بھجوایا تو اس کاتب نے بھی جھٹ ایک خط عبداللہ کے نام لکھ بھیجا۔ جس میں انہیں اصل واقعہ سے مطلع کر دیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے عبداللہ کے پاس کاتب کا خط مکتوب منصوری کے بعد جلد پہنچ گیا۔ عبداللہ نے فوراً ابو ہبار نام ایک شخص کو محمد اور علی بن حسن کے پاس بھیج کر صحیح حالات کی اطلاع دی اور منصور کے قاصد سے احتراز کرنے کو لکھا ابو ہبار علی بن حسن کو اس واقعہ سے مطلع کر کے بجناحِ استعجال محمد کے پاس پہنچا۔ اتفاق سے منصوری جاسُوس اُس وقت محمد کے پاس بیٹھا تھا۔ اس لئے محمد کو علیحدہ لے جا کر صُورت حالات سے مطلع کیا۔

محمد نے ابو ہبار سے دریافت کیا کہ اب جاسُوس کے متعلق کیا طریقِ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟ ابو ہبار نے مشورہ دیا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیجیئے تاکہ منصُور کے پاس واپس جا کر مخبری نہ کر سکے۔ لیکن محمد سے کہ دعوت الٰہی کی صدا ان کی زبان پر تھی اور ہدایت الٰہی کی امانت دل میں اس بات کی بھلا کہاں توقع ہو سکتی تھی کہ اس مسلم کُش تجویز پر عمل پیرا ہوتے۔ کہنے لگے " مجھ سے تو یہ کبھی نہ ہو گا کہ ایک مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھ آلُودہ کروں"۔ ابو ہبار نے کہا اچھا اگر آپ کو قتل مسلم گوارا نہیں تو کم از کم اسے مقید کر کے اپنے ساتھ رکھیئے۔ محمد نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ یہ عملاً بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ روزانہ جان کے خوف سے مستور اور رُوپوش رہا کرتے تھے۔

پھر ابوہبار نے یہ صلاح دی کہ اس کو قبیلہ جہینہ کے کسی ممتاز آدمی کے پاس نظر بند کرا دیجئے۔ محمد نے اس رائے سے اتفاق کیا لیکن جب انقطاعِ گفت وشنید کے بعد محمد مجلس میں واپس آئے تو جاسوس مجلس سے غائب تھا۔

جاسوس جہینہ سے نکل کر جھٹ مدینہ منورہ پہنچا اور وہاں خلیفہ کے پاس حاضر ہو کر تمام حالات گوش گزار کیئے۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ کسی مصلحت سے یا ناواقفیت کی بنا پر ابوہبار کی جگہ ایک شخص وَبر کا نام لے دیا۔ خلیفہ نے وَبر کو طلب کر کے محمد کا حال دریافت کیا۔ وبر نے قسمیں کھائیں اور ہر طرح سے اپنی لاعلمی ظاہر کی مگر منصور نے باور نہ کیا اور اسے قید خانہ میں ڈالنے کا حکم دیا۔

منصوری جاسوس کے مصیطرانہ انداز جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو منصور نے عقبہ بن سالم ازدی کو بلا کر اُسے محمد کے خراسانی ہوا خواہوں کے نام سے ایک اور جعلی خط لکھوا دیا اور بہت سا زر و مال دے کر عبداللہ بن حسن کے پاس مکہ معظمہ بھجوایا۔ عبداللہ اس سے پیشتر شاہی جاسوسی کا تلخ تجربہ کر چکے تھے۔ جونہی عقبہ نے یہ خط اور زرِ نقد پیش کیا آپ نے برآشفتہ ہو کر پھینک دیا اور کہا جاؤ میں اُن لوگوں کو نہیں جانتا تم یہاں سے چلے جاؤ"

یہ نامہ بر تفتیش جرائم کے فن میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ عبداللہ کو برافروختہ دیکھ کر اُس وقت تو چلا گیا لیکن اس کے بعد برابر ملاقات کرتا اور عبداللہ کو بانواعِ حیل و تدبیرات اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک

کہ عبداللہ شدہ شدہ اس سے مانوس ہو گئے اور نامہ بر کو مخلص اور اہل خراسان کا حقیقی قاصد یقین کر کے اپنے راز ہائے دل اس سے کہنے شروع کر دیئے۔ آخر عقبہ نے کہا کہ اس خط کا جواب تو لکھ دیجئے۔ عبداللہ نے کہا تحریری جواب تو کسی طرح قرین مصلحت نہیں معلوم ہوتا مگر تم جا کر ان لوگوں سے میرا سلام کہنا اور مطلع کر دینا کہ میرے دونوں فرزند محمد اور ابراہیم فلاں دن اور فلاں وقت خروج کریں گے[1]۔

عقبہ وہاں سے مراجعت کر کے منصور کے پاس پہنچا اور کل حالات عرض کر دیئے۔ منصور نے یہ سن کر جھٹ بیت اللہ کا قصد کیا۔ جب مکہ معظمہ پہنچا تو عبداللہ اور تمام دوسرے بنو حسن ملاقات کو آئے۔ منصور نے تمام حضرات کو عزت و احترام سے بٹھلایا اور اگلے روز پر تکلف دعوت کی۔ سب لوگ وقت معہودہ پر آئے۔ جب کھانا تناول کر چکے تو منصور نے عبداللہ بن حسن سے خطاب کر کے کہا۔ کیوں صاحب! آپ نے تو اقرار کیا تھا کہ ہم کبھی برسر مخالفت نہ ہوں گے اور نظام حکومت میں کسی طرح رخنہ اندازی نہ کریں گے۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ ہاں کہا تھا۔ منصور نے عقبہ کو اشارہ کیا۔ عقبہ معاً عبداللہ کے روبرو آ کھڑا ہوا۔ اس کے دیکھتے ہی عبداللہ کے چہرے پر ندامت کا خون دوڑ گیا اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ عقبہ بھی اسی طرف کو پھر گیا۔ عبداللہ نے دوسری طرف منہ موڑ لیا۔ عقبہ پھر سامنے جا کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے مجبور

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۸۔

ہو کر سر جھکا لیا۔ منصور دریافت کرتا جاتا تھا اور عقبہ ایک ایک واقعہ بیان کرتا جا رہا تھا۔[1]

ان ایام میں غریب الدیار محمد آوارۂ دشت ادبار ہو کر اطراف و جوانب بلاد میں چھپے پھرتے تھے۔ پھرتے پھراتے بصرہ پہنچے۔ منصور کو اس کی خبر لگ گئی۔ چنانچہ فوراً بذات خود بصرہ پہنچا۔ لیکن خلیفہ کے ورود سے پہلے محمد بصرہ سے جا چکے تھے۔ محمد اور ابراہیم پر سطوت منصوری کا رعب اس درجہ مستولی تھا کہ کسی ایک جگہ قیام کی مجال نہ تھی۔ بصرہ سے نکل کر دونوں بھائی عدن پہنچے۔ وہاں بھی اطمینان خاطر نصیب نہ ہوا تو سندھ چلے آئے لیکن جب سندھ میں بھی عافیت کا رنظر نہ آئی تو یہاں سے کوفہ کا رُخ کیا اور چند روز کے بعد کوفہ سے مدینہ منورہ چلے آئے۔

منصور نے ۱۴۰ھ میں پھر حج کیا۔ اتفاق سے دونوں مختفی بھائی نفس زکیہ اور ابراہیم بھی ان ایام میں مخفی طور پر حج کے لئے مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے۔ منصور نے عبداللہ بن حسن کو اپنے دونوں فرزندوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا اور عدم تعمیل کی صورت میں ہدف موت بنانے کی دھمکی دی۔ زیاد عامل مدینہ نے ضمانت دی تو غریب عبداللہ کی جان بچی۔ منصور نے حج سے فراغت پا کر دار الخلافت کو عود کیا۔ اس کی روانگی کے بعد محمد مدینہ منورہ آئے۔ زیاد اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر کہ محمد خاندان نبوت کے

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۸۔

چشم و چراغ ہیں نہایت شفقت سے پیش آیا اور نہ صرف انہیں ہر طرح سے مدد دی بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ جہاں مرضی مبارک ہو چلے جائیے۔

جب پرچہ نویسوں نے منصور کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو ۱۴۱ھ میں ابوالازہر کو زیاد کی گرفتاری کے لئے مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ ابوالازہر نے زیاد کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھجوا دیا۔ منصور نے اس کے قید کرنے کا حکم دیا۔ اب منصور نے محمد خالد بن قسری کو مدینہ منورہ کی گورنری پر متعین کر کے محمد کی تلاش کا حکم دیا۔ زیاد نے چلتے وقت مدینہ منورہ کے بیت المال میں اسی ہزار دینار چھوڑے تھے۔ ابن خالد نے خزانہ کا روپیہ بڑی بے دردی سے محمد کی تلاش میں خرچ کرنا شروع کیا۔

سادات عظام کی گرفتاری خلیفہ منصور نے رمضان ۱۴۴ھ رباح بن عثمان مزنی کو سند امارت عطا کر کے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اس شخص نے مدینۃ الرسول میں پہنچ کر سخت دھاچوکڑی مچائی۔ عبداللہ بن حسن ان دنوں دارالہجرۃ ہی میں قیام فرما تھے۔ رباح نے آپ کو اپنے صاحبزادوں کے حاضر نہ کرنے پر دھمکی دی اور شاہی عتاب سے ڈرایا۔ عبداللہ نے فرمایا رباح آج تو ایسا قسی القلب ہو رہا ہے جیسے قصاب بکری ذبح کرتے وقت ہوتا ہے۔ ابوالبختری حاجب رباح سے کہنے لگا ان کو امور غیبیہ کی کیا خبر ہے؟ آپ ان سے تو محمد کا حال ناحق دریافت کرتے ہیں۔

ریاح اس کے بعد شب و روز محمد کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ مگر کسی طرح حصول مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ اس ناکامی کے بعد ریاح نے بنو حسن کے تمام سربرآوردہ ارکان کو جن کے اسمائے گرامی عبداللہ بن حسن مثنیٰ، حسن و ابراہیم و جعفر پسران حسن مثنیٰ، سلیمان و عبداللہ پسران داؤد بن حسن مثنیٰ، محمد و اسماعیل و اسحاق پسران ابراہیم بن حسن مثنیٰ، عباس بن حسن مثنیٰ، موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ ہیں محبس میں ڈال دیا۔ ان حضرات میں علی عابد بن حسن مثنیٰ داخل نہ تھے۔ دوسرے دن وہ بھی ریاح کے پاس پہنچے اور فرمایا میں اس غرض سے تمہارے پاس آیا ہوں کہ مجھے بھی میرے اقرباء کے ساتھ ملحق کر دو۔ غرض ریاح کے حکم سے یہ بھی اپنے ایمان کا چراغ لے کر زنداں کی تاریک کوٹھڑی میں جا بیٹھے۔

جب منصور کو ان گرفتاریوں کی اطلاع ہوئی تو فرمان بھیجا کہ انہی لوگوں کے ساتھ محمد بن عبداللہ معروف بہ دیباج کو بھی محبوس کر دو۔ آپ امیرالمومنین عثمان ذوالنورین کے پرپوتے تھے اور عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ کے اخیافی بھائی لگتے تھے۔ کیونکہ ان دونوں کی والدہ فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؓ تھیں۔ ریاح نے اس فرمان کے بموجب محمد بن عبداللہ کو بھی جو حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج مشہور تھے ان حضرات کے ساتھ محبوس کر دیا۔ انہی ایام میں گورنر مصر نے عبداللہ بن حسن کے پوتے علی بن محمد کو جنہیں

لہ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۴، ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۹

اُن کے والد نفس زکیہ نے اپنی دعوتِ بیعت کے لئے مصر روانہ کیا تھا گرفتار کر کے خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ خلیفہ نے ان کو بھی قید کر دیا اور چونکہ انہوں نے اپنے ہوا خواہوں میں عبدالرحمٰن بن ابوالموالی اور ابو جبیر کے نام بھی بتلائے تھے اس لئے منصور نے ان دونوں کو بھی گرفتار کر لیا۔[1]

امام مالکؒ کی سفارت | اس واقعہ کے بعد خلیفہ منصور ۱۴۴ھ میں حج کے لئے بیت اللہ گیا۔ ان دنوں امام مالکؒ بھی بغرضِ حج مکہ مکرمہ تشریف فرما تھے۔ منصور نے حضرت امام مالکؒ اور محمد بن عمران کو اس پیغام کے ساتھ بنو حسن کے پاس مدینہ منورہ کے قید خانہ میں بھیجا کہ وہ سلطنت کے دونوں باغیوں کو خلیفہ کے حوالے کر دیں۔ عبداللہ نے اس مطالبہ کا تو کوئی جواب نہ دیا البتہ باریابی کی خواہش ظاہر کی۔ منصور نے اس خواہش کے جواب میں کہا "میری آنکھیں عبداللہ کو اس وقت تک دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گی جب تک وہ اپنے دونوں بیٹوں کو میرے پاس حاضر نہ کر دیں۔"[2]

منصور مناسک حج سے فارغ ہو کر ربذہ کی طرف روانہ ہوا۔ ریاح نے بھی مشایعت کی۔ اب منصور نے اپنے تمام جلیل القدر ہاشمی قیدیوں کو حجاز سے عراق منتقل کر دینے کا حکم دیا۔ ریاح نے ان حضرات کو مدینہ منورہ کے قید خانہ سے نکال کر ہتکڑیاں لگوائیں۔ طوق و سلاسل پہنا کے بغیر کجاوہ کے اونٹوں پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔ امام جعفر صادقؓ پردے کی آڑ سے آلِ

طالب کی اسیری کا یہ دردناک منظر دیکھ کر زار و قطار رو رہے تھے۔ دوران سفر میں محمد اور ابراہیم بدوؤں کی وضع میں اپنے والد محترم عبداللہ کے پاس اکثر آ آ کر علم مصاف بلند کرنے کی اجازت چاہتے ہیں مگر عبداللہ اس کی اجازت نہ دیتے اور فرماتے تھے۔ "میرے نورِ نظرو! عجلت نہ کرو اور جب تک موزوں وقت اور مناسب موقع ہاتھ نہ آئے خاموش رہو۔ اگر ابوجعفر منصور تمہاری کریمانہ زندگی کا مخالف ہے تو تم بھی کریمانہ موت سے کبھی دریغ نہ کرنا[1]"

اس واقعہ کے بعد ابوعون عاملِ خراسان نے منصور کے پاس اس مضمون کا ایک معروضہ روانہ کیا کہ علویین نے خراسان میں امیر المومنین کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور اہلِ خراسان محمد بن عبداللہ کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں۔ اتنے میں منصور ربذہ سے ہو کر کوفہ پہنچا اور سادات کرام کو قصر ابن ہبیرہ میں مقید کر دیا۔

منصور ان دنوں علویوں کے خلاف دانت پیس رہا تھا۔ اُس نے سب سے بڑا ستم یہ کیا کہ سادات کی خانہ براندازی شروع کر دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ علوی حضرات عرصہ سے حصول سلطنت کے لئے جوڑ توڑ کر رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کو ان کوششوں کا حق بھی تھا لیکن منصور نے محمد اور ابراہیم کی مخالفت میں محض سوء ظن سے کام لے کر بہت سے دُوسرے

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۵

جُرم نا آشنا سادات کو بھی شربت شہادت پلا دیا۔ اس ورطۂ ابتلا میں ان عظیم المرتبت گرفتاران بلا میں سے سلیمان و عبداللہ پسران داؤد اور اسحاق و اسمٰعیل پسران ابراہیم بن حسن اور جعفر بن حسن مثنیٰ کے سوا اور کوئی جانبر نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ باقی تمام بلاکشان جفا، منصور کے حکم سے تیغ ظلم سے شہید کئے گئے [1]

نفس زکیہ کا خروج ان ایام میں محمد بن عبداللہ مہدی معروف بہ نفس زکیہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک مکان سے دوسرے مکان میں چھپے پھرتے تھے اس شدت اختفاء کا اندازہ اس امر حقیقت سے لگ سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کنوئیں میں ڈول کی طرح لٹک کر جان بچائی۔ اسی طرح ایک مرتبہ کہف امان کی تلاش میں آپ کا فرزند ایک پہاڑ پر سے گر پڑا۔ اب محمد بھی مدت کی مستوری و فرار سے تنگ آ گئے تھے۔ اس لئے آپ نے رفقاء کے مشورہ و صوابدید سے خروج کا قصد کیا۔

جاسوسوں نے ریاح کے پاس خبر پہنچائی کہ محمد آج ہی شب خروج کرنے والے ہیں۔ ریاح نے یہ خبر سُن کر عباس بن عبداللہ، محمد بن عمران قاضی مدینہ طیبہ اور دوسرے عمائد شہر کو بلا کر کہا کہ امیر المومنین ابو جعفر منصور نے مہدی کی تلاش میں شرق و غرب کو ایک کر رکھا ہے۔ حالانکہ وہ تم ہی لوگوں کے پس پشت موجود ہے۔ واللہ اگر اُس نے خروج کیا تو میں تم میں سے ایک

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۰

متنفس کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ پھر قاضی کو مخاطب کر کے خاندان بنوزہرہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں بنی زہرہ کا جم غفیر دارالامارت میں جمع ہوگیا۔ اس کے بعد علوی حضرات طلب کئے گئے۔ جن میں امام جعفر صادقؑ، حسین بن امام زین العابدینؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح چند قریشی اکابر بھی بلائے گئے۔ جن میں اسمٰعیل بن ایوب بھی داخل تھے۔ یہ لوگ ریاح سے گفتگو کر رہے تھے کہ دفعتہً تکبیر کی صدا بلند ہوئی۔ جب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد مہدی نے خروج کر دیا۔

امام مالک کا فتویٰ جب محمد نے خلیفہ منصور کے خلاف علم رزم جوئی بلند کیا تو اہل مدینہ نے امام دارالہجرۃ مالکؒ کی خدمت میں جاکر آپ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں کہ اطاعت منصوری کا قلادہ ہماری گردنوں میں پڑا ہے ہم اس کے خلاف محمد مہدی کا کیونکر ساتھ دے سکتے ہیں؟ حضرت امام مالک نے اس استفسار کے جواب میں فرمایا کہ اہل مدینہ نے منصور سے باکراہ بیعت کی تھی اور مکرہ عہد و یمین کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ سن کر لوگوں کے وہ تمام شبہات زائل ہوگئے جو امیر المسلمین کی مخالفت کے حرام و ممنوع ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ اہل مدینہ بطیب خاطر محمد مہدی کے اعوان و انصار میں شامل ہوگئے۔ مگر امام مالکؒ بذات خود اپنے مکان سے باہر نہ نکلے [1]

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۱

جب محمد مہدی نے مدار سے خروج کیا تو اُس وقت صرف ڈیڑھ سو جانباز اُن کی رفاقت میں تھے لیکن اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس جمعیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے قید خانہ کا رُخ کیا اور محمد بن خالد قسری اور اُن کے رفقاء کو جو سیاسی جرائم میں مقید تھے رہا کیا۔ اس کے بعد دار الامارت میں پہنچے۔ نفس زکیہ اثنائے راہ میں اپنے پیروؤں کو پکار پکار کر تاکید کر رہے تھے کہ کسی کو قتل نہ کرنا کسی کو قتل نہ کرنا۔ اب دار الامارت میں ریاح، اس کے بھائی عباس اور ابن مسلم بن عقبہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد سب لوگ مسجد نبوی میں آئے۔ نفس زکیہ نے منبر پر چڑھ کر ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں منصور کے اُن خصائل رذیلہ کی تشریح کی جن کا وہ ان کے زعم میں خوگر تھا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے شیوۂ عدل و انصاف اختیار کرنے کا وعدہ کیا۔ محمد مہدی نے اس کے بعد مدینہ منورہ میں اپنی جانب سے عثمان بن محمد کو عہدۂ قضا پر، عبد العزیز مخزومی کو اسلحہ خانہ پر، حضرت عبداللہ بن عمر رض کے پوتے عثمان بن عبید اللہ کو محکمۂ پولیس کی افسری پر مامور فرمایا۔

نفس زکیہ مدینہ منورہ کے انتظام سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں رؤسائے شہر میں عبداللہ بن عمر کے پوتے ابوسلمہ بن عبید اللہ اور عبداللہ بن زبیر رض کے پوتے خبیب بن ثابت اور چند دیگر اعیان کے سوا کسی نے اُنکی رفاقت سے تخلف نہ کیا۔ محمد نے اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر کو

بھی اُن سے بیعت لینے کے لئے طلب کیا یہ ایک معمّر بزرگ تھے۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اے برادر زادہ! میں تمہاری بیعت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بے نیلِ مرام نہنگ اجل کا شکار ہو جاؤ گے۔ اسماعیل بن عبداللہ کا یہ جواب سن کر چند اشرافِ مکہ محمد مہدی کے جادۂ بیعت سے باہر نکل گئے۔ لیکن باوجود اس کے بنو معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے محمد مہدی کی رفاقت اختیار کرنے میں بڑی تعجیل اور شتاب زدگی سے کام لیا۔

ان دنوں ریل، تار برقی یا لاسلکی موجود نہ تھی اس لئے منصور کو محمد مہدی کے ظہور کے نویں دن سے پہلے ان واقعات کی اطلاع نہ ہوئی۔ منصور نے اپنے اہل بیت اور وابستگانِ دولت کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اس کے بعد اپنے چچا عبداللہ بن علی سے بھی جو اس وقت تک قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا تھا استصواب کیا۔ عبداللہ نے کہلا بھیجا کہ تم فوراً بذات خود کوفہ چلے جاؤ اور وہاں کی ناکہ بندی کر لو تاکہ کوفہ میں آنے اور وہاں سے جانے والوں کی تم کو اطلاع ہوتی رہے۔ چنانچہ منصور اسی رائے پر عمل پیرا ہو کر کوفہ چلا گیا۔

منصور نے سب سے پہلے اتمام حجت کے خیال سے ایک فرمان مشعر بامان لکھ کر نفس زکیہ کے پاس روانہ کیا۔ محمد نے اس کے جواب میں منصور کے اقوال و دعاوی کی تردید کرتے ہوئے اپنے شریف النسب ہونے کا دعویٰ

کیا۔ منصور نے اس خط کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نفس زکیہ کو بنو فاطمہ ہونے کی وجہ سے دوگونہ فضیلت حاصل تھی مگر ظاہر ہے کہ خلیفہ منصور بھی شریف النسب ہاشمی اور حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار عباس رضی کی اولاد تھا۔ منصور اور محمد کی یہ خط و کتابت نہایت دلچسپ ہے مگر ہم نے اسے بخوف طوالت حذف کر دیا ہے۔ جو حضرات اس کا مطالعہ کرنا چاہیں وہ تاریخ کامل (ابن اثیر) جلد ۵، صفحات ۱۹۹ - ۲۰۰ کا مطالعہ کریں۔

نفس زکیہ نے محمد بن حسن دبن معاویہ بن عبید اللہ بن جعفر کو مکہ معظمہ کا حاکم مقرر کیا۔ قاسم بن اسحاق کو یمن کی حکومت عطا کی اور موسیٰ بن عبد اللہ کو شام کی گورنری پر متعین کیا۔

عساکر خلافت کی روانگی خلیفہ نے اپنے برادر زادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو محمد مہدی کی جنگ کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ روانگی کے وقت منصور نے ہدایت کی تھی کہ اگر تم محمد کو مغلوب و منہزم کر لو تو اپنی تلوار کو نیام میں کر کے اسے پناہ دینا۔ اور اگر روپوش ہو جائے تو مدینہ منورہ کے ارباب حل و عقد کو گرفتار کر لینا کیونکہ وہ محمد کی نقل و حرکت اور اس کے دوسرے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ آل ابو طالب میں سے جو کوئی آ کر تم سے ملاقات کرے اس کا نام میرے پاس لکھ بھیجنا۔ اور جو کوئی ملاقات سے احتراز کرے

اس کا مال واسباب ضبط کر لیتا۔ چونکہ امام جعفر صادقؒ بھی ان علویوں میں تھے جو روپوش ہو گئے تھے عیسیٰ نے ان کی جائداد بھی ضبط کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمد مہدی کی جاں سپاری کے بعد منصور وارد مدینہ ہوا تو امام جعفر صادق نے اس سے اپنا مال واسباب طلب کیا۔ منصور نے جواب دیا کہ اس کو تو تمہارے ہی مہدی نے ضبط کر لیا تھا۔[1]

جب نفس زکیہ کو عیسیٰ کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے صاحبوں سے مشورہ کیا۔ بعض نے یہ رائے دی کہ مدینہ منورہ ہی میں مورچہ بندرہ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ بعض نے اس بات کو قرین صواب بتایا کہ شہر کے ارد گرد خندق کھود کر مقابلہ کیا جائے۔ محمد نے اہل شوریٰ کا اختلاف دیکھ کر بنظر اقتداء جناب سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم اسی خندق کو کھدوایا جس کو حضرت خیر البشر علیہ السلام نے غزوۂ احزاب میں کھدوایا تھا۔

اس اثناء میں عیسیٰ نے اعوص کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ اس سے پیشتر محمد مہدی نے اہل مدینہ کو خروج و قتال سے منع کر دیا تھا لیکن اس کے بعد جب حالات نے پلٹا کھایا تو حمل سلاح اور قتال کی اجازت دے دی۔ باوجود اس کے اہل مدینہ کا ایک جم غفیر اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ جب محمد مہدی کے پاس بہت تھوڑی جمعیت رہ گئی تو انہیں اپنی رائے کی غلطی کا احساس ہوا۔

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲

عیسیٰ احوص سے کوچ کر کے مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر فروکش ہوا اور محمد مہدی کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المومنین ابو جعفر منصور آپ کو امان دیتے ہوئے کتاب و سنت کی طرف بلاتے ہیں اور بغاوت کے مآل و انجام سے ڈراتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم باز آجاؤ ورنہ ناکامی و نامرادی کی صورت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ محمد نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نے تو قتل و قمع ہی کے خوف سے راہ فرار اختیار کر رکھی تھی۔

۱۲ رمضان ۱۴۵ھ کو عیسیٰ جرف میں آ اترا اور ایک بلند مقام پر ایستادہ ہو کر بآواز بلند اہل مدینہ سے کہنے لگا "میں تم کو امان دیتا ہوں، بشرطیکہ تم میرے اور میرے حریف کے درمیان حائل نہ ہو" اہل مدینہ نے عیسیٰ کو نفس زکیہ سے برسر پرخاش ہونے پر ملامت کی۔ عیسیٰ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔ دوسرے دن اپنے فوجی افسروں کو بغرض جنگ اطراف مدینہ میں پھیلا دیا۔

رزم و پیکار | محمد مہدی بھی اپنے ساتھیوں کو لئے ہوئے میدان کارزار میں آئے سب سے پہلے ابو غلمش صفوف جنگ سے نکل کر میدان جنگ میں آیا اور خم ٹھونک کر آواز دی "ہے کوئی لڑنے والا جو مجھ سے نبرد آزما ہو؟" عیسیٰ کے لشکر سے اسد کا بھائی مقابلہ کو نکلا۔ ابو غلمش نے چھوٹتے ہی اسے علفِ تیغ بنا دیا۔ دوسرا شخص آیا تو ابو غلمش نے اُس کا بھی صفایا کر دیا اور جوش

مردانگی میں آکر کہنے لگا۔ انا ابن الفاروق (میں فاروق اعظم کی اولاد ہوں)
نفس زکیہ نے اس معرکہ میں خوب داد مردانگی دی۔ ستر سے زیادہ
آدمی ان کے ہاتھ سے قعر عدم میں پہنچے۔ اس کے بعد عیسیٰ کی طرف سے حمید
بن قحطبہ فوج کا ایک دستہ لے کر خندق کی طرف بڑھا۔ محمد کی فوج نے تیر اندازی
شروع کر دی۔ لیکن حمید کے پائے استقلال کو ذرا جنبش نہ ہوئی اور جس طرح
بنی پڑا خندق کو پار کر محمد کی فوج سے لڑنے لگا۔ عصر تک بڑی شدت کا
معرکہ رہا۔

عصر کے بعد عیسیٰ نے اپنی ہمرکاب فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا اور اس
کے لشکریوں نے خندق کو زین پوشوں اور انواع و اقسام کے دوسرے اسباب
سے پاٹ کر راستے بنا دئیے اور سواران لشکر خندق سے پار ہو کر محمد مہدی کی
فوج سے رزم خواہ ہوئے۔ لڑائی کا بازار گرم ہوا۔ عبداللہ بن جعفر محمد سے
کہنے لگے "آپ نے بڑی غلطی کی کیونکہ آپ کے لئے اس لشکر گراں کے مقابلہ
میں عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ کاش آپ مکہ معظمہ چلے گئے ہوتے"! محمد نے
جواب دیا "میں اہل مدینہ کو اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ عبداللہ بن
جعفر تھوڑی دیر میں علیحدہ ہو گئے۔ اسی طرح تمام رفقاء نے علیحدگی اختیار کر
لی۔ صرف تین سو آدمی باقی رہ گئے۔

عیسیٰ بن خضیر نام ایک شخص جو محمد مہدی کا رفیق تھا ان سے بار بار

کہہ رہا تھا کہ مقابلہ سے دست بردار ہو کر بصرہ یا کسی دوسرے شہر کو چلے جائیے۔ مگر محمد ہر مرتبہ جواب دیتے تھے کہ تم لوگ میرے ساتھ مبتلائے مصائب نہ ہو۔ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اب محمد بطن سلع کی طرف بڑھے۔ بنو شجاع ہمراہ رکاب تھے۔ ان لوگوں نے تلواروں کے نیام توڑ ڈالے اور مرنے مارنے کا عہد و پیمان کر کے غنیم پر حملہ آور ہوئے۔ اور لشکر منصوری کو دو تین مرتبہ بری طرح پسپا کیا۔ اتنے میں عیسیٰ کے چند سپاہی کمال ہنر مندی کا ثبوت دے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور دوسری جانب سے اتر کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد ایک عباسی عورت کی سیاہ اوڑھنی لے کر اس کو منارۂ مسجد پر پھریرہ کی طرح اڑانا شروع کر دیا۔ محمد کے آدمی کمال مردانگی سے لڑ رہے تھے لیکن پھریرے کو دیکھ کر ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ غنیم نے مدینہ منورہ پر عمل و دخل کر لیا بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر طرہ یہ کہ بنو غفار نے بھی غنیم کو اپنی جانب سے شہر میں داخل ہونے کا راستہ دے دیا۔ اب عیسیٰ کی فوج شہر میں سے ہو کر محمد کے لشکر کے پاس آ پہنچی۔

نفس زکیہ کا قتل اب نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ ابن خضیر مقابلہ کرتے ہوئے بڑی شجاعت سے لڑ رہا تھا۔ اتنے میں اس کے ایک شدید زخم آیا، زخم سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا اور توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی۔ محمد اس کے لاشہ پر برابر مصروف پیکار تھے۔ عیسیٰ کی فوج چاروں

طرف سے تابڑتوڑ حملے کر رہی تھی۔ اس اثناء میں ایک شخص موقع پاکر محمد کی طرف لپکا اور بے دریغ آپ کی پشت پر نیزہ مار دیا۔ جونہی آپ صدمہ زخم سے نیچے کی طرف جھکے حمید بن قحطبہ آگے کو بڑھا اور سینہ پر ایک بھالا مار کر آپ کی پُرحوصلہ زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جونہی محمد زمین پر گر کر محنت سرائے دُنیا سے رخصت ہوئے ابن قحطبہ نے جھٹ گھوڑے سے اُتر کر آپ کا سر اُتار لیا۔

عیسٰی نے محمد کے سر کو مع سرہائے بنو شجاع عبرت روزگار ہونے کے لئے خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ اور نیرنگ ساز فطرت کی قدرت کے تماشے دیکھو کہ خلیفہ کے پاس بشارت نامہ فتح لے کر جانے والا ایک فاطمی قاسم بن حسن ابن زید بن امام حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین علی رضؓ ہی تھا۔ اس واقعہ سے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا اور کوئی مُسلمان ایسا نہ تھا جو نفس زکیہ کی مرگ پر سوگوار نہ ہو۔

اس جنگ میں محمد مہدی کے ساتھ مشاہیر بنوہاشم میں سے محمد کا بھائی مُوسٰی بن عبداللہ، امام محمد باقر رضؓ کے پوتے حمزہ بن عبداللہ اور امام زید شہیدؒ بن امام زین العابدین رضؓ کے دو بیٹے حسین اور علی شامل تھے۔ اس میں بعض بنوفاطمہ منصور کی طرف سے محمد مہدی کے خلاف مصروف پیکار تھے۔ اس جنگ میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ اگر بیٹے محمد کی طرف سے لڑے تھے تو باپ منصور کی حمایت میں معرکہ آرا تھا[1]

[1] ابن خلدون جلد ۳۔ صفحہ ۱۹۲-۱۹۳

گو یہ عام قاعدہ ہے کہ جدھر قوت و اقتدار ہوتا ہے یا جس طرف کی بازی زبردست پڑتی ہے اسی فریق کی حمایت کی جاتی ہے مگر دنیا ایسے نیک نفس لوگوں کے وجود سے بھی کبھی خالی نہیں رہی جو عزّ و جاہ اور زر و مال کو اپنے ایمان کی کسوٹی قرار نہیں دیتے۔ پس جن لوگوں نے اس جنگ میں نفس زکیہ کا ساتھ دیا انہوں نے تو امام مالک رح کے فتوےٰ کے بموجب حق کی عون و نصرت کی لیکن جو علوی عباسیوں کی تائید میں اپنے علوی اخوان کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہوئے ممکن ہے کہ انہوں نے بھی نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ہی الوالامر کی مخالفت حرام اور اطاعت واجب ہونے کے خیال سے خلیفہ منصور کی تائید ضروری سمجھی ہو گو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ فطرت انسانی جس طرح اب کمزوریوں سے خالی نہیں ہے اسی طرح جب بھی خالی نہیں تھی۔

خروج ابراہیم بن عبداللہ حسنی

ابراہیم بن عبداللہ ۱۴۵ھ میں اپنے بھائی محمد کے ظہور کے بعد وارد بصرہ ہوئے۔ یحییٰ بن زیاد نے انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا اور لوگوں سے اُن کے بھائی نفس زکیہ کی بیعت لینے لگا۔ رجسٹر مرتب ہوا تو مبایعین کی تعداد چار ہزار نکلی۔ ابراہیم کو بصرہ میں بڑی کامیابی ہوئی۔ محمد مہدی نے ظہور کے بعد اپنے بھائی ابراہیم کو بھی خروج کے لئے لکھا تھا۔ چنانچہ ابراہیم نے یکم رمضان ۱۴۵ھ کو بقصد خروج ظہور کیا۔ ابراہیم نے پہلے بصرہ کی جامع مسجد میں نماز صبح ادا کی۔ مسجد سے نکل کر دار الامارۃ پہنچے اور وہاں کے عامل سفیان کو مع ان فوجی افسروں کے جنہیں منصور نے سفیان کی کمک پر بھیجا تھا قید کر دیا۔ یہ دیکھ کر جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی عباسی چھ سو آدمیوں کی جمعیت سے دوڑ پڑے لیکن ابراہیم نے ان کو پسپا کر دیا۔

جعفر اور محمد کی ہزیمت اور دار الامارۃ پر قبضہ کرنے کے بعد ابراہیم نے امان کی منادی کرا دی اور بیت المال میں سے بیس لاکھ درہم برآمد کرا کے ہر ایک سپاہی کو پچاس پچاس درہم تقسیم کر دئیے۔ اس کے بعد مغیرہ کو ایک دستۂ فوج کی قیادت میں اہواز کی جانب روانہ کیا۔ منصور کی طرف سے

محمد بن حصین نے چار ہزار کی جمعیت سے مقابلہ کر کے شکست کھائی اور بھاگ نکلا۔ مغیرہ نے اہواز پر قبضہ کر لیا اور عمرو بن شداد کو فارس پر ترکتاز کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جب یہ خبر اسماعیل و عبداللہ عاملان فارس نے جو حضرت ابن عباس رضہ کے پوتے تھے سنی تو دار البجرد میں میں متحصن و قلعہ بند ہو گئے عمرو نے فارس اور اطراف فارس پر اپنی فتح و کامرانی کا پھریرا اڑایا اور ہارون بن شمس عجلی کو سترہ ہزار فوج کے ساتھ واسط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

ان دنوں منصور کی طرف سے واسط کا حاکم ابن حمید ایادی تھا۔ فریقین میں جنگ آزمائی ہوئی۔ ہارون عجلی مظفر و منصور ہوا۔ ابن حمید نے راہ فرار اختیار کی۔ ہارون نے واسط پر قبضہ کر کے ابراہیم کا جھنڈا بلند کر دیا۔ جب منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عامر بن اسماعیل کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ہارون کی گوشمالی پر متعین کیا۔ فریقین بہت دنوں تک داد شجاعت و مردانگی دیتے رہے۔ آخر متحاربین نے خلیفہ منصور اور ابراہیم کی آخری اور قطعی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہونے تک کے لئے نبرد آزمائی ملتوی کر دی۔

ابراہیم نے ایک ہی مہینہ کی مدت ظہور میں دربار خلافت کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ ابراہیم کے پاس محمد مہدی کے قتل کی خبر عید الفطر کے دن

نماز سے پہلے پہنچ گئی تھی۔ ابراہیم نے نماز عید کے بعد لوگوں کو اس جگر شگاف واقعہ سے مطلع کیا۔ فوج اور عامۃ المسلمین کے جذبات منصور کے خلاف اور زیادہ برانگیختہ ہوئے۔ ناراضی کی آگ رہ رہ کر سلگتی اور بھڑکتی تھی۔ ابراہیم نے عید کے دوسرے دن فوج کو مرتب و منظم کیا۔ چونکہ ابراہیم شجاعت و الوالعزمی کے ساتھ بڑے عالم متبحر اور مقتدائے عام تھے ان کے دعوئے خلافت کے ساتھ ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

اس اثنا میں چند کوفیوں نے ابراہیم سے کہا کہ کوفی لوگ آپ کے لئے چشم براہ ہیں۔ ہر مسلمان پروانہ وار فدا ہونے کو طیار ہے۔ آپ ضرور کوفہ پر یورش کیجئے۔ ابراہیم نے ان کی رائے کو صائب سمجھ کر کوفہ کا رخ کیا۔ اس وقت آپ کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور سیادت فاطمی کا خون رگوں میں جوش مار رہا تھا[1]

امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی اعانت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رح سفاح اور منصور دونوں کی سفاکیاں دیکھ چکے تھے۔ اس لئے آپ نے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ عباسی فرماں روا منصب خلافت کے لئے شایاں نہیں اور اس لحاظ سے آپ کے زمانہ میں بنو فاطمہ اور دوسرے علوی حضرات علم و عمل، تقویٰ و طہارت، جود و سخا، کرمت و احسان، بہادری

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲

وشجاعت میں تمام اقران واماثل پر فوقیت رکھتے تھے آپ اُموی اور اپنے
ہمعصر عباسی خلفار کی فرمانروائی کے مقابلہ میں سادات کرام کی خلافت
کے بہت بڑے حامی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے تو آپ نے بنوامیّہ کے
عہد میں امام زین العابدین رضہ کے فرزند گرامی زید شہید کی عون ونصرت
کا سِرّاً فتویٰ دیا تھا۔ اس کے بعد جب ابراہیم بن عبداللہ حسنی علی الرغم
منصور عَلَم خلافت بلند کر کے کوفہ پہنچے تو آپ نے ان کی تائید کی اور بجز اس
کے کہ خود شریک مصاف نہ ہوئے ہر طرح سے انکی اعانت فرمائی [1]

امام ابوحنیفہ نعمانؒ علوی عَلَم برداران خلافت کے اس درجہ حامی
تھے کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے جنگ ابراہیم کے بعد آپ کو طعنہ دیا کہ
آپ نے میرے بیٹے کو ابراہیم کی حمایت میں شریک کارزار ہونے کا اچھا
حکم دیا کہ وہ جان سے گیا اور مَیں فرزند سے جو میری زندگی کا آخری سہارا
تھا محروم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کاش! تیرے بیٹے کی جگہ مَیں ہوتا [2]

بالجملہ امام ابوحنیفہ رح کی تائید واعانت کا یہ اثر ہوا کہ کوفہ پہنچنے
کے بعد ابراہیم کے جھنڈے تلے کم وبیش ایک لاکھ آدمی جان سپاری کے
لئے تیار ہوگئے۔ باوجودیکہ خلیفہ منصور نہایت عالی ہمت اور مستقل مزاج
بادشاہ تھا لیکن کوفہ میں ابراہیم کی غیر معمولی کامیابیوں کا حال سن کر حواس
باختہ ہوگیا تاہم استقلال طبع سے کام لے کر جھٹ مقابلہ کا سامان شروع

[1] و [2] تاریخ الخمیس جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۵ +

کر دیا۔

منصور کی تجہیز جیوش عیسیٰ نفس زکیہ کی مہم سے فارغ ہو کر ابھی تک سوادِ مدینہ میں پڑا تھا۔ خلیفہ نے عیسیٰ کو بعجلت تمام واپس آنے کو لکھا۔ اسی طرح ایک خط مسلم بن قتیبہ کو رَے آنے اور تیسرا سالم کو ابراہیم کی طرف ترکتاز کرنے کے متعلق تحریر کیا۔ اور سالم کی کمک پر متعدد سپہ سالاروں کو متعین کیا۔ منصور نے چوتھا خط اپنے بیٹے مہدی کے نام روانہ کیا جس میں خزیمہ بن خازم کو اہواز کی جانب روانہ کرنے کو لکھا تھا۔ اسی اثنا میں فارس، مدائن، وغیرہ مقامات سے بدعملی کی پیہم خبریں منصور کے گوش زد ہوئیں۔ لیکن منصور نے نہایت حزم و احتیاط اور کامل تدبر کے ساتھ ہر سمت کی محافظت کے لئے مناسب فوجیں روانہ کیں اور فساد دلغی کا کوئی ذرا ایسا نہ تھا جسے اپنی طرف سے کمال ہوشیاری کے ساتھ مسدود نہ کر دیا۔

منصور ضبط و تحمل کا پہاڑ تھا۔ اسے اپنے دور خلافت میں بڑے بڑے زہرہ گداز حوادث سے سابقہ پڑا۔ اور کبھی نہ دیکھا گیا کہ انقلاب دہر کی بادِ صرصر اس کے اوراق حواس کو پریشان کر سکی ہو۔ لیکن جب ابراہیم کو خلاف معتاد غلبہ نصیب ہونے لگا تو وہ بدحواس ہو گیا۔ تفکرات نے نظام اعصاب میں تہلکہ برپا کر دیا۔ جنوں انگیز خیالات ہر وقت ہجوم کئے رہتے تھے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مصیبت و پریشانی کے وقت خدا یاد آتا ہے۔

منصور لگاتار پچاس دن تک مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و دعا میں مصروف رہا۔ اس مدت میں لباس تک نہ بدلا۔ خصوصاً قمیص اور لبادہ جو بہت کثیف ہو گیا تھا کسی وقت نہ اتارتا۔ جب کسی ضرورت سے باہر آتا تو سیاہ رنگ کا شاہانہ جوڑا پہن لیتا تھا۔ اس عرصہ میں شبستان عیش کے اندر کبھی قدم نہ رکھا، جب کبھی حرم سرا میں بے التفاتی کی شکایت ہوتی یہ جواب دیتا کہ یہ ایام آشوب لہو ولعب کے دن نہیں ہیں اور کہتا تھا کہ جب تک ابراہیم کا سر اپنے سامنے نہ دیکھ لوں یا ابراہیم کے پاس میرا سر نہ چلا جائے اُس وقت تک کوئی کام بھلا معلوم نہیں ہوتا[1]

لشکروں کا تصادم اور ابراہیم کا قتل جونہی عیسیٰ سفر سے واپس آکر حریم خلافت میں حاضر ہوا، منصور نے اسے ابراہیم کے مقابلہ پر بھیج دیا۔ حمید بن قحطبہ تین ہزار کی جمعیت سے عیسیٰ کے مقدمۃ الجیش پر متعیّن ہوا۔ ابراہیم ایک لاکھ کا لشکر جرّار لئے ہوئے عیسیٰ سے جنگ آزما ہونے کے لئے کوفہ سے سولہ فرسنگ کے فاصلہ پر پڑے ہوئے تھے۔ آخر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی تھوڑی دیر میں حمید اپنی فوج کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ عیسیٰ کے پاس قلیل جمعیت رہ گئی۔ اس اثنا میں جعفر و محمد پسران علی عباسی ایک لشکر لئے ہوئے ابراہیم کے عقب پر حملہ آور ہوئے۔ ابراہیم کی فوج اس اچانک حملہ سے سخت بدحواس ہوئی اور عیسیٰ کے مقابلہ سے منہ موڑ کر عقب کے

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۴

خلاف مصروفِ پیکار ہوئی۔ اب عیسیٰ کی فوج نے لشکر ابراہیمی پر حلہ بول دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ابراہیم کی فوج پھر عیسیٰ کی طرف لوٹ پڑی۔ اب آتش حرب ہر چہار سُو شعلہ زن ہوئی اور جانبین کے بے شمار آدمی عرصۂ کارزار کی نذر ہو گئے۔

اتنے میں ابراہیم کا لشکر بہت بُری طرح محصُور ہو گیا۔ نہ تو آگے بڑھ کر دادِ شجاعت دے سکتا تھا اور نہ چاروں طرف سے محصُور ہو جانے کی وجہ سے جی کھول کے مقابلہ کرنے کا موقع پاتا تھا۔ آخر جیسے ہی ایک جانب سے فرار کی گنجائش نظر آئی اسی طرف سے سخت بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ کھڑا ہُوا۔ صرف چار سو یا چھ سو آدمی میدان حرب میں باقی رہ گئے۔ سُوءِ اتفاق سے ایک تیر ابراہیم کے گلے میں لگ کر ترازو ہو گیا۔ ساتھیوں نے ابراہیم کو گھوڑے سے اُتار لیا اور چاروں طرف سے حلقہ باندھ کر حریف کے حملوں کا جواب دینے لگے۔ اس کے بعد عساکر خلافت نے یکبارگی حلہ بول دیا۔ ابراہیم کے پیرو بے اوسان ہو کر منتشر ہو گئے۔ ابراہیم کا سر اتار کر عیسیٰ کے رُوبرُو لایا گیا۔ عیسیٰ نے یہ سر خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۵ھ کا ہے [1]

معلوم نہیں کہ خلفاء وسلاطین کے پاس غنیم کا سر بھیجنے کی رسم کہاں سے آئی۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عجم کے آثار باقیہ میں سے ہے جسے مسلمانوں

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۵

نے بھی اپنا معمول بنا لیا۔ بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے بطریق شام کا سر امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس بھیجا۔ آپ خفا ہوئے اور حکم دیا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ بھی ہمارے سر اپنے سرداروں کے پاس بھیجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب ہمارے پاس حکم خدا اور ارشاداتِ نبوی موجود ہیں تو پھر روم و فارس کی تقلید کیوں کی جائے[1]

جس وقت ابراہیم کا سر منصور کے سامنے رکھا گیا تو خلیفہ منصور اشکبار ہو گیا۔ ابراہیم کے سر کو خطاب کر کے کہنے لگا واللہ میں اس قضیہ کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا لیکن بدنصیبی سے ہم اور تم دونوں اس میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے بعد منصور نے دربار عام منعقد کیا۔ جعفر بن حنظلہ نام ایک رئیس آدابِ شاہی بجا لا کر عرض پیرا ہوا "حق تعالیٰ امیر المومنین کو اپنے عمزاد (ابراہیم) کے بارہ میں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور جو کچھ امیر المومنین کے حق میں ابراہیم سے کوتاہی ہوئی اُس سے درگزر فرمائے" اس ثناگوئی پر منصور کے چہرے پر مسرت کی سرخی نمایاں ہوئی۔ اسے عزت کے ساتھ اپنے پہلو میں جگہ دی اور انعام واکرام سے سرفراز کیا[2]

ہر کام کا ثمرہ و انجام تو تقدیرِ ربانی سے وابستہ ہے اور قضا و قدر سے کسی کا زور نہیں چل سکتا لیکن حق یہ ہے کہ محمد اور ابراہیم نے اپنے

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۶

چند روزہ عروج میں کمال شجاعت و اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ دونوں بھائی نہایت شجاع، قوی بازو اور فن حرب کے ماہر تھے۔ گو ان کا ظہور شہاب ثاقب کا حکم رکھتا ہے کہ چمکا اور چمک کر غائب ہو گیا لیکن انہوں نے بدء ظہور سے لے کر دم واپسین تک جو اولوالعزمیاں دکھائیں خصوصاً اپنے اعداء سے جو بہادرانہ سلوک کیا وہ اہلبیت کا مخصوص شیوہ رہا ہے۔ یہ دونوں بھائی منصور کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ اہل تھے۔ ان کریم النفس بھائیوں میں وہ تمام محاسن اخلاق و داعیت تھے جو پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے وارثوں میں پائے جانے چاہئیں۔ ان کے مقابلہ میں منصور کے اندر سفک دماء کا عیب ہی ایک ایسا خوفناک جرم تھا کہ جس نے اُس کی ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا تھا اور یہی وہ چیز تھی جس کی بنا پر امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے منصور کے خلاف محمد اور ابراہیم کی تائید و نصرت کا فتویٰ دیا تھا۔

سفاح اور منصور کی سفاکیوں سے قطع نظر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ تو ایسی خلافت کے متمنی تھے جو منہاج نبوت پر قائم ہوتی۔ انکی آنکھیں ایسی امارت کی تلاش میں تھیں جو خلافت راشدہ کے عہد سعادت میں تیس سال تک قائم تھی جبکہ عالم اسلام کا ایک ایک گوشہ غلغلہ روحانیت سے گونج رہا تھا اور خدا کی زمین امن و انصاف کا مامن بنی ہوئی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی مظلومی

اگر مجدد، ریفارمر اور پیشوائے اعظم کا منصب جلیل حاصل کرنے کے لئے راہِ حق و انصاف میں جسمانی اذیتیں اٹھانا بھی کوئی لازمی شرط ہے تو امام ابوحنیفہ نعمانؒ اور امام مالکؒ اس منصب کے صحیح مصداق اور میدان جاں سپاری و سرفروشی کے شہسوار ہیں۔ اس زمانہ میں معمول تھا کہ معدلت گستر خلفاء اور ان کے عدالت پناہ عمال عہدۂ قضا کے لئے صالحین امت کی تلاش میں لگے رہتے تھے۔ اگر صلحاء و علمائے ربانیین ججی اور منصفی کے عہدہ کو بطیب خاطر قبول نہیں کرتے تھے تو ان کو قبول خاطر کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ اس طریق عمل سے حکام کی یہ غرض ہوتی تھی کہ عدل پرور قضاۃ کی بدولت معیار اخلاق بلند اور میزانِ عدل کا توازن قائم رہے۔ شعائر الہیہ کی حفاظت ہو اور خدا کی مخلوق امن و سلامتی کے آغوش رحمت میں سرسبز و شاداب نظر آئے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے خلیفہ منصور نے ۱۴۶ھ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کو جن کے علم و اجتہاد اور تقویٰ و ورع کی شہرت اطراف عالم میں جا بجا گونج رہی تھی قاضی القضاۃ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آپ کو

دار الخلافہ میں طلب کر کے منصب قضا قبول کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ منصور نے قسم کھا کر کہا "آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔" امامؒ نے بھی قسم کھائی کہ میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔" امام صاحب کی اس جرأت پر سارا دربار محو حیرت رہ گیا۔ ربیع بن یونس حاجب دربار نے آپ سے کہا نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہیں۔" امام نے جواب دیا کہ امیر المومنین کے لئے قسم کا کفّارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔ خلیفہ نے آپ کے قید کئے جانے کا حکم دیا۔[1]

ربیع کا بیان ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور امام ابو حنیفہؒ کو قبول منصب کے لئے برابر ترغیب دیتا رہا۔ آپ جواب دیتے تھے کہ قضا ایک امانتِ الٰہی ہے جو اُسی شخص کو تفویض کی جا سکتی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہے اور اگر آپ مجھے اختیار دیں کہ یا تو عہدۂ قضا کو قبول کروں یا آپ فرات میں کود پڑوں تو میں ان دونوں میں سے دریا میں غرق ہونے کو ترجیح دوں گا۔ خلیفہ نے کہا آپ سے بہتر اس منصب کا کوئی اہل نہیں ہے۔ امام نے فرمایا میں واقعی اس کا اہل نہیں ہوں۔ منصور نے غصہ میں آ کر کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام نے جواب دیا کہ اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو جھوٹا آدمی خود قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[2]

[1] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۶۵۔ وفیات الاعیان جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۴
[2]

یہ تو حضرت امامؒ کا ایک منطقی استدلال تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے کمال تقویٰ کی بنا پر قضا کی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے تھے اور اس بارہ میں آپ کے پیش نظر یہ حدیث نبوی تھی۔

عن ابی هریرة، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من جعل قاضیا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)[1]	بقول ابوہریرہ رضؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا قاضی بنایا گیا وہ (اپنی غیر معمولی ذمہ داریوں کی وجہ سے گویا) چھری کے بغیر ہی ذبح کر دیا گیا۔

خلیفہ کو چاہیئے تھا کہ امام کے شدت انکار پر آپ کو معذور رکھ کر کسی اور بزرگ کو اس منصب کے لئے تلاش کرتا لیکن منصور بھی ہٹ کا پورا تھا۔ آپ کو زندان میں بھیج دیا اور کچھ دنوں کے بعد قید خانہ سے طلب کر کے قبول منصب کے لئے دوبارہ سختی کی۔ آپ نے حسب سابق انکار کیا۔ آپ کو مکرر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد منصور نے آپ کو قید خانہ سے پھر بلایا اور تیس ہزار درہم دئیے جانے کا حکم دیا۔ آپ نے اس رقم کے لینے سے بھی انکار کیا۔ آپ کو پھر زندان بلا میں محبوس کر دیا گیا یہاں تک کہ سجن ہی میں علم و عرفان کا یہ نیّر اعظم رحمت الٰہی کے شفق میں غروب ہو گیا[2]
مگر یہ صرف پہلا واقعہ نہیں تھا کہ امام ہمام کو اپنی انتہائی تقویٰ شعاری

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارة والقضاء، باب العمل فی القضاء والخوف منه۔
[2] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ - ۳۶۵۔

کی یہ گراں قیمت ادا کرنی پڑی ہو۔ بلکہ اس سے پیشتر خلیفہ مروان بن محمد اموی کے عہد خلافت میں ابن ہبیرہ عامل عراقین بھی قضا کے مسترد کر دینے پر آپ کو کوفہ میں سزا دے چکا تھا۔ ابن ہبیرہ نے حکم دیا تھا کہ انہیں دس دن تک دس دس کوڑے مارے جائیں۔ اس پر عمل کیا گیا لیکن آپ اپنے انکار پر بدستور مصر رہے۔ آخر ابن ہبیرہ نے ناامید ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ ان واقعات کے قریباً ستر سال بعد جب امام احمد حنبلؒ کو خلقِ قرآن کے قائل نہ ہونے پر زدوکوب کیا گیا ہے تو امام احمدؒ اس کے بعد جب کبھی سلاطین کے جور وتغلب کا تذکرہ فرماتے تو اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کی مظلومی کے واقعات بیان کر کے اشکبار ہو جایا کرتے تھے۔[۵]

ناصرین دین مُبین اور عَلَم برداران حُرمتِ شعائر اللہ کو اس قسم کے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں۔ اور حقیقت میں قوت ایمانی کا یہ اقتضا ہے کہ جب کبھی مصلح و مجدد پیغام حق اور دُوسرے بلند مقاصد کو لے کھڑا ہو تو دار ورسن اور توپ و تفنگ سے بے خوف ہو کر عزمِ راسخ کے ساتھ قدم بڑھائے اور قیام حق و کلمۂ صدق کے مقابلہ میں دُنیا کی کوئی ماسوی اللہ طاقت اس کے عزائم کی سدّ راہ نہ ہو سکے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ امام ابوحنیفہؒ نے ابراہیم بن عبداللہ کی نصرت و تائید کی تھی اس لئے منصور آپ کے قتل کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔

[۵] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحات ۳۶۴ - ۳۶۵ -

چنانچہ آپ کے سامنے قضا کا عہدہ پیش کرنا اسی سلسلۂ تعذیب کی تمہید تھی مگر کسی مستند تاریخی ماخذ سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ کیا کسی باغی کی تائید و معاونت کرنا کچھ کم درجہ کا جرم تھا کہ خلیفہ منصور کو براہ راست اس پر مواخذہ کرنے اور فرد قرارداد جرم عائد کرنے کے بجائے حیلہ جوئیوں سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ مزید برآں منصور کو پہلے سے یہ بات کیونکر معلوم ہوگئی کہ امام ابوحنیفہؒ عہدۂ قضا کو مسترد کردیں گے اس لئے اُس نے اخذ و بطش کے لئے یہی حیلہ تجویز کیا تھا؟

تاریخی روایات اور اقوال سلف اس بات پر متفق ہیں کہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں نے علی الترتیب محمد اور ابراہیم کی عون و نصرت فرمائی تھی۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ منصور نے امام ابوحنیفہ سے عہدۂ قضا کی آڑ میں اُس کا انتقام لینا چاہا تو پھر سوال یہ ہے کہ اُس نے امام مالکؒ سے اس بارہ میں کیوں تعرض نہ کیا؟ اور ان سے بھی انتقام لینے کی ضرورت کیوں محسوس نہ کی؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ امام مالکؒ ایک باغی کی تائید میں امام ابوحنیفہؒ کے بھی پیشرو تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب خلیفہ منصور نے دیکھا کہ محمد اور ابراہیم اپنی اولوالعزمیوں کے جوہر دکھا کر حسرت کدۂ عالم سے رخصت ہو گئے اور امامینؒ کی تائید و نصرت کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تو وہ اُن سے خواہ مخواہ تعرّض کر کے رعایا کے بحرِ خشم کو بیش از بیش متلاطم نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات

قصر شریعت کے زبردست ستون تھے اور منصور ان کا پایہ شناس تھا۔ پس ایک الوالعزم بادشاہ کے لئے جو خود بھی ایک بلند پایہ فاضل، دیندار اور شریعت پناہ حکمران ہو یہ کیونکر ممکن تھا کہ ان عمائد دین کو اپنے ہاتھ سے منہدم کر دیتا۔ چنانچہ ایک ملاقات کے دوران میں منصور نے امام مالکؒ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کے کپڑوں سے حنوط کی بو کیوں آرہی ہے؟ امام نے فرمایا کہ اس بے وقت طلب سے میں اپنی زندگی سے مایوس ہو کر یہاں آیا تھا۔" منصور نے کہا۔ سبحان اللہ! ابو عبداللہ کیا میں خود اپنے ہاتھ سے اسلام کا ستون گرادوں گا؟[له]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ کو زہر دلایا تھا اور زہر ہی کا اثر تھا کہ آپ کے طائر روح نے روضۂ رضوان کی طرف پرواز کی۔" لیکن ہمارے نزدیک زہر خورانی کا دعویٰ بھی روایۃً و درایۃً کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی رحلت علی اختلاف الاقوال ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت محمد اور ابراہیم کو موت سے ہم کنار ہوئے پانچ چھ سال کی مدت گزر چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خاندان بنو عباس کی اساس خلافت پوری طرح مستحکم ہو چکی تھی۔ فضائے سیاست کے تمام پراگندہ ذرے فنا ہو چکے تھے۔ بقائے سلطنت کی طرف سے تمام خرخشے مٹ چکے تھے۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے منصور کو محمد اور ابراہیم کی طرح کسی مسلح بغاوت کا

خطرہ بھی نہ تھا۔ پس ہمیں اس قسم کے کوئی اسباب و دواعی نظر نہیں آتے جن کی موجودگی میں منصور نے امام ابوحنیفہ کی جاں ستانی کا قصد کیا ہو۔ اس کے علاوہ کسی معتبر تاریخ میں اس بیان کی توثیق نہیں کی گئی۔ اور جن غیر محتاط مورخوں نے زہر خورانی کا ذکر کیا ہے انہوں نے بھی اس کو ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے جو کسی طرح مفید یقین نہیں ہیں۔ غرض جہاں تک ہم نے تاریخی روایات کا تجزیہ کیا یہ بیان کسی طرح قابل التفات نظر نہیں آتا۔

امام مالک رح کا حادثہ فاجعہ | امام مالک رح کے زدوکوب کا حادثہ بھی کچھ کم دردانگیز نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور کو امام مالک رح سے انتہا درجہ کی عقیدت تھی اور اس کے دل میں آپ کا جس درجہ احترام تھا بزرگان دین میں کسی اور کا نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے خلیفہ کے عم زاد بھائی جعفر بن سلیمان کے حکم سے آپ کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ بہت دن تک بستر علالت پر پڑے رہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابوجعفر منصور کے آغاز سلطنت میں اہل مدینہ نے جو بنو فاطمہ کی خلافت کے حامی و متمنی تھے منصور کی خلافت سے رُو گردانی کی۔ منصور نے جعفر بن سلیمان کو انطفائے فتنہ اور تجدید بیعت کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا۔ جعفر نے مدینۃ الرسول میں پہنچتے ہی تشدد و دارو گیر کا شیوہ اختیار کیا اور جس کسی نے انحراف ورزی کی اُس کو بہت بُری طرح

گوشمال کیا۔ جب اس سخت گیری کی بدولت کسی کو چُون چرا کی جرأت نہ رہی تو لوگوں سے از سرِ نو بیعت لینی شروع کی اور اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب ہوا۔

اس اثنار میں امام مالکؒ کے بعض حسّاد نے جعفر سے شکایت کی کہ مالکؒ لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اوّل تو منصور کی بیعت پر حلف اُٹھانا ہی جائز نہ تھا لیکن اگر کسی نے خوف و استکراہ کے ساتھ بیعت کر لی تھی تو اب بیعت کی تکمیل اور قسم کا ایفا ضرور نہیں۔" ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ حکومت کے لئے نہائیت پر خطر تھا۔ حاسدوں نے جعفر کو اطلاع دی کہ امام مالکؒ اس حدیث نبوی سے استدلال کر کے اہل مدینہ کو بیعت منصوری سے منحرف کر رہے ہیں۔

رفع عن امتی الخطاء والنسیان وَمَا اکرھوا علیہ۔ — میری اُمت کو خطا و نسیان پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ ایسے امور پر کوئی باز پرس ہوگی جن پر انہیں مجبور کیا گیا ہو۔

یہ سُن کر جعفر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس کے دل میں یہ خوف پیدا ہُوا کہ مبادا اہل مدینہ از سرِ نو نقض بیعت کر دیں اور اس کے کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ اس لئے اُس نے امام مالکؒ کی تصدیع و تعذیب کا قصد کیا۔ بعض مخلص اعیانِ دولت نے جعفر کو سمجھایا کہ خلیفہ سے استصواب کئے

بغیر اس امر عظیم میں مبادرت کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ خلیفہ
کے دل میں امام مالک کی عظمت و تقدس کے نقش اس درجہ مرتسم ہیں کہ
امام کی نسبت تمہارا کوئی عذر قابل سماعت نہ سمجھا جائے گا۔ لیکن جعفر نے
ان مشوروں کو سمع قبول سے نہ سنا اور حکم دیا کہ مالکؒ سخت ذلت کے ساتھ
دارالامارۃ میں حاضر کیے جائیں۔

سرکاری پیادوں نے امام کی رفعت شان کو بالائے طاق رکھ کر آپ
کو دارالامارۃ میں لا حاضر کیا۔ جعفر نے آپ کے ستر کوڑے مارنے کا حکم
دیا۔ کوڑوں کی ضرب سے جسم اطہر مجروح ہو گیا۔ آپ افتاں و خیزاں اپنے
کاشانۂ زہد میں پہنچے اور الم ضرب سے صاحب فراش ہو گئے۔

جب اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع بارگاہ خلافت میں پہنچی تو منصور کو
سخت قلق ہوا اور نہ صرف معاً جعفر کی معزولی کا فرمان جاری کیا بلکہ حکم
دیا کہ اسے گدھے پر سوار کر کے سخت رسوائی کے ساتھ دارالخلافت میں
لایا جائے اور اس کی جگہ حسن بن زید نام ایک مخزومی سردار کو جو حزم و ذکا
اور تقویٰ و پرہیزگاری میں سرآمد روزگار تھا مدینہ منورہ کا عامل مقرر کر کے
روانہ کر دیا۔ اس کے بعد امام مالکؒ کو لکھ بھیجا کہ آپ دارالخلافہ تک قدم
رنجہ فرمائیں۔ آپ نے بعض عذرات پیش آنے سے انکار کیا۔ خلیفہ نے لکھ
بھیجا کہ میں چند ماہ میں بعزم حج بیت اللہ جانے والا ہوں۔ آپ بھی موسم حج میں مکہ

معظمہ تشریف لاکر شرف ملاقات بخشیں۔

امام مالکؒ موسم حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور خلیفہ سے منیٰ میں ملاقات کی خلیفہ نہایت اکرام سے پیش آیا اور مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے الفاظ جو منصور کے منہ سے نکلے یہ تھے کہ "میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جسکے سوا کوئی سچا معبود نہیں کہ جعفر نے جو حرکت کی نہ وہ میرے حکم سے کی اور نہ مجھے اس کا کوئی علم تھا۔ بلکہ اس حادثہ نے میرے دل کو بہت بری طرح ٹھیس لگائی۔

امام نے فرمایا" امیر المومنین آپ واقعی اس فعل سے منزہ ہیں جعفر کا وہ سلوک آپ کی رضامندی سے نہیں تھا" منصور نے مکرر معذرت خواہی کرتے ہوئے کہا" میں نے بھی اس موذی کو مدینہ منورہ سے سخت خذلان کیساتھ گدھے پر سوار کر کے واپس بلایا اور دار الخلافہ پہنچنے کے بعد توہین و تذلیل کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور ابھی اس نابکار کو اس عقوبت سے دو چند ایذا دینے والا ہوں جو اس نے آپ کو دی" امام نے فرمایا امیر المومنین میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھنے کی خاطر اور نیز آپکا عزیز و یگانہ ہونیکی وجہ سے معاف کیا" خلیفہ نے حضرت امام کے استرضائے خاطر کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا اور بتایا کہ میں مہدی ولیعہد سلطنت کو عنقریب آپ کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کیلئے مدینہ منورہ روانہ کرونگا۔ اسکے بعد دو ہزار دینار زر نقد اور خلعت گراں پیش کر کے آپکو کمال احترام کیساتھ رخصت کیا۔[1]

---

[1] الامامۃ والسیاستہ لابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ جلد ۲ ص ۱۴۷ - ۱۴۸۔

بغداد کی بِنا، و تاسیس

جب کوفہ میں خلیفہ سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی تو اس نے شہر سے چند میل کے فاصلہ پر قصرِ ابن ہبیرہ کو اپنا دار السلطنت تجویز کیا تھا۔ سفاح نے اس کے بعد قصر کے ارد گرد بہت سے مکانات اور عالیشان محل تعمیر کرائے اور اس کی رونق و آبادی میں اس درجہ کوشش کی کہ ایک اچھا خاصہ شہر بن گیا۔ یہ شہر ہاشمیہ کے نام سے موسُوم ہوا۔ سفاح نے تھوڑی مدّت تک قیام کر کے اپنا دار السلطنت انبار میں تبدیل کر لیا جو دریائے فرات پر ایک قصبہ تھا۔ سفاح نے انبار پہنچ کر اس کی رونق و ترقی میں بڑی سعی کی اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرائے لیکن بہت سی تعمیرات ہنوز نا تمام تھیں کہ سفرِ آخرت کا پیغام آن پہنچا اور سفاح اسی مقام پر کنج لحد کے سپرد کر دیا گیا۔ سفاح کی رحلت کے بعد منصُور نے ان تمام رفیع الشان عمارتوں کی تکمیل کرائی جو اس کے بھائی نے شروع کرا رکھی تھیں [۱]

آبادی کے اسباب تخت نشینی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد منصُور نے اپنا دار الخلافہ انبار سے ہاشمیہ میں تبدیل کر لیا۔ لیکن چونکہ وہاں راوندی لوگ آئے دن فتنہ و فساد کرتے رہتے تھے اور خلیفہ کو اُن کی طرف سے جان کے لالے پڑے

[۱] معجم البلدان یاقوت حموی جلد اول ص ۳۴۰، و جلد ۸ صفحہ ۴۳۹۔

رہتے تھے اور اس کے علاوہ اہل کوفہ کو بھی وہاں پر ان کی سکونت ناگوار تھی اس بنا پر منصور نے ان کے قرب و ہمسائگی سے متنفر ہو کر بطارقہ کی طلبی کا فرمان بھیجا۔ بطارقہ اس مقام کے اردگرد بود و باش رکھتے تھے جہاں آج بغداد آباد ہے۔

خلیفہ نے ان لوگوں سے یہاں کی حرارت، برودت، برسات، کیچڑ وغیرہ کے حالات دریافت کئے۔ ان لوگوں نے اس مقام کی بڑی تعریف کی اور بتایا کہ یہ ایسا موزوں مقام ہے جہاں جہازوں کے ذریعہ سے شام، رقہ، مصر اور مغرب کے مختلف شہروں سے رسد آسکتی ہے۔ چین، ہند، بصرہ، واسط، دیار بکر، روم اور موصل سے براہ دجلہ اور آرمینیا اور اس کے ملحقات سے براہ خشکی غلہ وغیرہ بخوبی پہنچ سکتا ہے اور بیان کیا کہ اس مقام پر آباد ہونے سے آپ قدرتی نہروں کے درمیان قیام فرما ہوں گے جو خندقوں اور مورچوں کے قائم مقام ہیں۔ جہاں پل کے بغیر کسی طرح نہیں پہنچ سکتے اور جب کبھی آپ پل اور بند وغیرہ کو مسدود کر دیں گے آپ کا دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیگا۔"

منصور نے یہ اوصاف و محاسن سن کر اس مقام پر جو کسی زمانہ میں نوشیرواں عادل کا باغ داد یا بغداد تھا اپنا دارالخلافہ بنانے کا عزم صمیم کر لیا۔

اس قرارداد کے بموجب اوائل ۱۴۵ھ میں بغداد کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ شام، کوفہ، واسط اور بصرہ کے تمام منتخب روزگار صناع و

معمار بلوائے گئے اور وہ حضرات بھی مدعو ہوئے جو علم وفضل، انصاف وعدالت، عفت وامانت کے اوصاف حمیدہ سے متصف اور علم ہندسہ سے ماہر تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حجاج بن ارطاۃ بھی ان نفوس قدسیہ میں داخل تھے جو بغداد کی سرزمین کو اپنے قدوم سے مشرف فرمانے کے لئے طلب ہوئے۔

سب سے پہلے کوئلوں کے خط کھینچ کر شہر کی حد بندی کی گئی۔ دروازوں کے نشان کئے گئے اور فصیلیں قائم کی گئیں۔ پھر اس خط پر جو کوئلوں سے دیا گیا تھا حب القطن ڈال کر آگ مشتعل کی گئی۔ جب تمام نشانات خوب نمایاں ہو گئے تو منصور نے اسی خط کے نشانات پر بنیادیں کھودنے کا حکم دیا اس کے بعد ہر چہار اطراف کی تعمیر کا کام علیحدہ علیحدہ چار افسرانِ تعمیرات کو تفویض ہوا۔[1]

ابن خلدون کا بیان ہے کہ چونکہ امام ابو حنیفہ نعمانؒ نے عہدۂ قضا و فصل خصومات کے قبول کرنے سے انکار کیا تھا اس لئے خلیفہ نے امام کو بطور سزا یہ خدمت تفویض کی کہ وہ شہر کی تعمیر کے لئے اینٹوں اور چونے وغیرہ کا شمار و اہتمام کریں۔ وجہ یہ تھی کہ منصور نے قسم کھائی تھی کہ ان سے کوئی نہ کوئی خدمت ضرور لی جائے گی۔[2] لیکن ابن خلکان نے اس بیان کو بے اصل بتایا ہے اور اسے عامیانہ خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عوام کا یہ بیان نقلاً

[1]، [2] ابن خلدون جلد ۳۔ ص ۱۹۶۔

کسی طرح صحیح نہیں ہے[۲]

جس وقت دیواریں قدِ آدم تک پہنچ گئیں تو نفس زکیّہ کے خروج کی خبر منصور کے گوش گزار ہوئی۔ اس لئے تعمیر کا کام ملتوی کرا کے کوفہ چلا آیا۔ لیکن جب محمد اور ابراہیم کی مصاف آرائیوں سے فراغ خاطر نصیب ہوا تو مکرر بغداد آ کر تعمیر کا کام شروع کرایا۔

شہر مدائن اور ایوان کسریٰ یہاں سے قریب ہی تھے۔ منصور نے ارادہ کیا کہ ان عمارتوں کو مسمار کرا کے ان کی اینٹ پتھر سے اپنے جدید شہر کی عمارتیں تیار کرائے۔ اس بارہ میں خالد بن برمک وزیر سے مشورہ کیا۔ خالد نے عرض کیا امیر المومنین! یہ شہر اور پرانا ایوان شہریاری فتوحات اسلام کی زندۂ جاوید یادگاریں ہیں جو ہمیشہ زبان حال سے عربی شجاعت و تہور کا ثبوت دیتی رہیں گی۔ اس کے علاوہ اس میں امیر المومنین علی بن ابو طالب کی نماز گاہ ہے۔ اس لئے میرے نزدیک ان عمارتوں کو علیٰ حالہا قائم رکھنا چاہیئے۔

مگر خلیفہ نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ اس مشورہ میں تم اپنے عجمی برادران وطن کی حمایت و جنبہ داری کر رہے ہو اور تمہیں یہ امر گوارا نہیں کہ ایرانیوں کے آثار عظمت دُنیا سے محو ہو جائیں۔ یہ کہہ کر قصر ابیض اور مدائن کی دوسری عمارتیں کھدوانی شروع کر دیں لیکن چند

[۱] وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۶۴ - [۲] معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۳۲

ہی روز کے تجربہ سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا کہ جتنا صرف کھدوانے اور پتھروں کی ڈھلائی میں پڑجاتا ہے اس سے کم میں نئی اینٹیں تیار ہو سکتی ہیں۔ مجبوراً ارادہ کیا کہ ایوان کسریٰ کو یونہی چھوڑ کے نئی اینٹیں بنوائے۔

اب خالد بن برمک عرض پیرا ہوا "امیر المومنین میں اس شہر اور ان عمارتوں کی کھدائی کے خلاف تھا لیکن اب کہ آپ نے ان کو منہدم کرانا شروع ہی کر دیا، میری یہ رائے ہے کہ ان کے انہدام سے دست بردار نہ ہوجیئے ورنہ عہدِ حاضر کے عجمی خیال کریں گے اور ان کی آئندہ نسلیں کہیں گی کہ ساسانیوں کی عمارتیں ایسی مستحکم تھیں کہ خلفائے اسلام انہیں منہدم بھی نہ کرا سکے۔ منصور نے اس عرضداشت پر بھی کوئی توجہ نہ کی۔ انہدام موقوف کرا کے نئی اینٹوں کی تیاری شروع کرا دی۔ یہی وجہ ہے کہ آج زائرین عراق پہلے ایوان کسریٰ کے کھنڈر دیکھ لیتے ہیں تب جا کے انہیں بغداد کی عمارتیں نظر آتی ہیں۔

منصور نے واسط، شام اور کوفہ کے بڑے بڑے محلات کے دروازے اکھڑوا کر بغداد میں منگوا لیئے۔ اس کی شہر پناہ دائرہ کی وضع میں مدوّر بنوائی تاکہ ایوانِ خلافت اور جامع مسجد کو سارے شہر سے وہی نسبت رہے جو مرکز کو دائرہ سے ہوتی ہے۔ دو میں سے اندرونی شہر پناہ کو بیرونی سے بلند رکھا۔ اینٹیں جن سے شہر پناہ کی تعمیر ہوئی ایک ایک مربع گز تھیں اور ان

میں سے ہر ایک کا وزن ایک سو سولہ رطل (قریباً اٹھاون سیر) تھا[۱]

مصارف تعمیرات اور عہد منصوری کی ارزانی

شہر، بازار، مسجد، قصر خلافت، فصیلوں، خندقوں اور دروازوں کی تعمیر پر روزانہ پچاس ہزار کاریگر اور مزدور کام کرتے تھے[۲]۔ لیکن ناظرین یہ سُن کر حیرت زدہ ہوں گے کہ ان تمام تعمیرات پر کلہم اڑتالیس لاکھ تراسی ہزار درہم لاگت آئی۔ اُس زمانہ کا درہم ہندوستان کی موجودہ چونی کے برابر تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کی تمام سرکاری عمارتوں پر جن میں مسجد بھی داخل ہے صرف اتنی لاگت آئی جس قدر کہ آج کل کسی بڑی عمارت پر آتی ہے لیکن اس قلت مصارف کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں معماروں اور مزدوروں کی اُجرت اتنی کم تھی کہ لوگ سُن کر تعجب کریں گے۔ معمار کو ایک قیراط (تین رتی چاندی سے پانچ رتی تک اور مزدور کو دو سے تین رتی تک روزانہ اُجرت ملتی تھی[۳]۔

ان ایام میں ارزانی کا یہ عالم تھا کہ مینڈھا ایک درہم میں اور اونٹ چار دانگ میں بکتا تھا۔ (ایک دانگ پونے چار رتی کا ہوتا ہے) اسی طرح لحم بقر نوّے رطل فی درہم اور بکری کا گوشت ساٹھ رطل فی درہم فروخت

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۲۲ - ۲۲۳، ابن خلدون ۳ - ص ۱۹۶ - ۱۹۷ - معجم البلدان ۲ - ص ۲۳۲ - ۲۳۵ ۔ [۲] مروج الذہب مسعودی ۔ [۳] معجم البلدان جلد ۲ - ص ۲۳۵۔

ہوتا تھا۔ اسی طرح شہد دس رطل اور کھجوریں ساٹھ رطل فی درہم ملتی تھیں[۱]۔
رطل انگریزی پونڈ کے برابر یا ½ ۳۸ تولہ کے قریب ہوتا ہے۔

رصافہ کی آبادی | یہ بغداد جو آباد ہوا دجلہ کے مغربی کنارے پر تھا۔ اس کے مقابل دریا کی دوسری جانب جہاں کہ موجودہ بغداد نظر آتا ہے کوئی آبادی نہیں تھی۔ اس مشرقی بغداد کی بنا و تاسیس عجیب و غریب ہے۔ اس آبادی کی ظاہری وجہ تو یہ تھی کہ ۱۵۱ھ میں جب ولی عہد سلطنت مہدی خراسان سے مراجعت کر کے بغداد میں فروکش ہوا تو تمام عمائد سلطنت خصوصاً خاندان بنو ہاشم کے اعیان اس کے استقبال و تہنیت کو جمع ہوئے۔ مہدی نے ان سب کو دربار میں باریابی کا موقع دے کر خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد خود خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی بیٹے کی خوشنودئی خاطر کے لئے ان سب کو دربار شاہی میں مدعو کر کے خلعت دئے اور انعام و اکرام سے مفتخر فرمایا۔ اور اسی کے ساتھ مہدی کے لئے دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک اور شہر آباد کیا جو رصافہ کے نام سے مشہور ہوا[۲]

لیکن اس آبادی کی اصل بنا کچھ اور ہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ چند فوجیوں نے منصور پر یورش کی اور بغداد کے باب الذہب پر اس سے مقابلہ کیا۔ یہ بات منصور کے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ حضرت ابن عباسؓ

[۱] معجم البلدان جلد ۲ ص ۲۳۵۔ [۲] ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۲۲ - ۲۲۳، ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۹۶ - ۱۹۷۔

کا پوتا قثم بن عباس اس سے ملنے کو آیا۔ قثم سارے عباسیوں میں بڑا دانا اور زیرک مشہور تھا۔ اور ہر شخص اس کا احترام کرتا تھا۔ منصور دیکھتے ہی اس سے کہنے لگا "تم نے فوجیوں کا نرغہ دیکھا؟ اگر کبھی باہم متفق ہو گئے تو ان کے سامنے میرا کوئی زور نہ چلے گا اور خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ قثم نے کہا میرے دماغ میں ایک تجویز ہے میں عنقریب اس پر عمل کروں گا۔

اس کے بعد قثم اپنے گھر واپس آیا اور اپنے ایک غلام کو کچھ سکھا پڑھا کر حکم دیا کہ کل مجھ سے پہلے ایوان خلافت میں جا کر درباریوں میں مل جانا اور میں نے جو کچھ بتا دیا ہے اس کے مطابق عمل کرنا۔ غلام نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور جیسے ہی قثم خچر پر سوار ہو کر قصر شاہی میں پہنچا، غلام نے لپک کر اس کے خچر کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا کہ جناب سردار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عباسؓ عم رسول اللہ اور امیر المومنین ابو جعفر کے حقوق کی قسم دلا کے آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اہل یمن افضل ہیں یا بنی مضر (قریش اور دوسرے بنو اسماعیل)؟ قثم نے اسے اس سوال پر ڈانٹا دھمکایا اور ڈپٹ کے کہا "ہٹ یہاں سے" مگر اس نے کوئی شنوائی نہ کی۔ اور پھر اس طرح قسمیں دلا کر اپنے سوال کا اعادہ کیا۔ اب کی مرتبہ قثم نے اس غلام پر دو ایک چابکیں بھی رسید کر دیں۔ مگر اس نے خچر کا دہانہ نہ چھوڑا اور پھر اسی طرح قسمیں دلانے لگا۔

آخر قثم نے بظاہر مجبوری کی حالت میں جواب دیا کہ بنو مضر زیادہ اشرف و افضل ہیں کیونکہ جناب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں پیدا ہوئے۔ کتاب اللہ انہی کی زبان میں نازل ہوئی۔ بیت اللہ ان میں ہے اور خلیفۃ اللہ بھی اسی قوم کا چشم و چراغ ہے۔ یہ جواب سن کر غلام تو چلا گیا مگر یمنی ارکان سلطنت میں جو حاضر دربار تھے ایک قسم کی ناگواری پیدا ہو گئی کہ انہوں نے اہل یمن کی ایک فضیلت بھی بیان نہ کی۔ دنیا جہان کی خوبیاں مضریوں ہی کے حصہ میں آئی ہیں۔ چنانچہ ایک یمنی سردار کہہ اٹھا۔ "ایسا نہیں ہے کہ یمنیوں کی کوئی فضیلت ہی نہ ہو"۔ اور اپنے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ قثم کے خچر کو جا کر پکڑ لو۔ وہ غلام قثم کی طرف لپکا تو مضری بگڑ کھڑے ہوئے کہ ایک غلام اور ہمارے معزز ترین شخص کے ساتھ گستاخی! اب یمنی اور مضری دونوں جماعتوں میں ہنگامہ مچ گیا اور قثم اپنا خچر بڑھا کے منصور کے پاس پہنچا اور کہا لیجیئے مبارک میں نے آپ کے لشکر میں پھوٹ ڈال دی۔

اسی وقت سے عساکر خلافت تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک مضریوں کی اور دوسری یمنیوں کی تو پہلے سے موجود تھیں۔ ایک تیسرا فریق خراسانیوں کا بھی پیدا ہو گیا جس میں عجمی و ایرانی جوان تھے۔ اس کے بعد قثم نے منصور سے کہا "اب ان میں سے ہر جماعت دوسری کا زور توڑتی رہیگی اور ہر ایک کو سر اٹھاتے وقت اپنے حریفوں کا اندیشہ ہو گا۔ آپ جب ان میں

سے کسی سے سرکشی ظاہر ہوتے دیکھیں تو دوسری جماعتوں سے مدد لیں۔
لیکن ابھی ایک تدبیر باقی ہے۔ وہ یہ کہ اپنے ولیعہد مہدی کو لے کر آپ دریا
کے پار جائیے اور انہیں ان کی فوج کے ساتھ وہیں ٹھیرا کے ان کے لئے وہاں
نیا شہر بسا دیجئے۔ اس طرح بغداد کے دو شہر ہو جائیں گے۔ ان دونوں میں سے
جب کوئی شہر مخالفت و عناد پر آمادہ ہوگا دوسرا لازمی طور پر آپکی مدد کرے گا۔
منصور نے اس کی رائے کو بہت پسند کیا اور اسی وقت سے صالح کو تعمیر رصافہ
کا حکم دے دیا جو خاص ولیعہد خلافت کے لئے آباد کیا گیا تھا۔[1]

مگر چونکہ اس کی بنیاد تفرقہ اندازی پر رکھی گئی تھی بغداد کی تاریخ میں ہمیں
آخر تک یہی نظر آتا ہے کہ بغداد کے ان دونوں حصوں میں جن میں سے مشرقی رصافہ اور
اور مغربی کرخ کہلاتا تھا ہمیشہ جھگڑے قضیئے برپا رہے اور انہی منازعات کیساتھ
بغداد کا اقبال بھی ختم ہوگیا۔ تفریق بین الملل کا یہی وہ سیاسی اصول ہے جو آج
مغربی دول استعمار کی حکمرانی کا سنگ اساس ہے۔ تفرقہ اندازی کی حکمت عملی گو کچھ عرصہ
تک کامیابی کی کفیل رہے لیکن اسکو بقا و دوام نصیب نہیں ہوتا۔ قابل تعریف وہی
حکومت ہے جو جسم سے زیادہ روح پر ہو۔ رعایا کے دل راعی کی محبت سے سرشار
ہوں۔ حاکم کی شفقت و رافت محکوم سے خراج عقیدت وصول کرے۔ عامۂ برایا
کے دل سے محبت کے چشمے پھوٹتے دکھائی دیں۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۳، ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۹

خوارج کی شوریدہ سری

خارجی وہ ہیں جو امیر المومنین علی رضؓ اور اہل بیتِ نبوّت سے خاصتہً سوءِ ظن رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جزیرۂ عرب کے بعض حصّوں میں اب تک بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ خوارج نے امیر المومنین علیؓ کے عہدِ خلافت سے برابر اسلامی ممالک میں دھما چوکڑی مچا رکھی تھی لیکن بنو امیہ کے زوال کے ساتھ ان کی کچھ ایسی ہوا بگڑی کہ تا زمانِ ظہورِ دولت عباسیہ کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ سفاح کے بعد منصور سے بیعت خلافت کی گئی۔

۱۳۷ھ کا دور آیا تو جزیرہ میں ملبد شیبانی خارجی نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ حکامِ جزیرہ نے ہزار سواروں کا ایک دستہ اس کی سرکوبی پر متعین کیا لیکن ملبار نے پہلے ہی حملہ میں اُن کو منہزم کر دیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے متعدّد سپہ سالاروں کو یکے بعد دیگرے ملبد کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا لیکن بد نصیبی سے تمام فوجی سردار خود ہی واحداً بعد واحدٍ گوشمال ہو کر طعمۂ اجل بننے یا راہ فرار اختیار کرتے رہے۔ ان حوادث کے بعد حمید بن قحطبہ عاملِ جزیرہ جو ایک کارآزمودہ سپہ سالار تھا اس کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ ملبد نے

اس کو بھی شکست دی۔ حمید نے راہ فرار اختیار کر کے ایک محفوظ مقام میں جا پناہ لی اور وہیں متحصن ہو گیا۔ خلیفہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نام ایک جرنیل کو ایک لشکر جرار کے ساتھ اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔

جب عساکر خلافت کے آنے کی خبر ملبد کے گوش گزار ہوئی تو اُس نے ہر طرح کی پیش بندیاں کر لیں اور لڑائی چھڑنے سے پیشتر ایک ہزار سواروں کو کمین گاہ میں بٹھا دیا۔ جس وقت عبدالعزیز اور ملبد میں جنگ چھڑ گئی اور ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے ہونے لگے تو ملبد کے مخفی سواروں نے کمین گاہ سے نکل کر عبدالعزیز پر عقب سے حملہ کر دیا۔ عبدالعزیز کا لشکر بے اوسان ہو کر بھاگا اور اس کی بہت بڑی جمعیت نہنگ ہلاک کا لقمہ بن گئی۔

جب اس ہزیمت کی اطلاع دارالخلافہ میں پہنچی تو خلیفہ بہت پریشان ہُوا۔ اب منصور نے حازم بن خزیمہ نام ایک فوجی افسر کو ہزار خراسانی جانبازوں کے ساتھ روانہ کیا۔ جب حازم موصل کے قریب پہنچا تو ملبد نے بقصد مقابلہ دجلہ کو عبور کیا۔ جب صف آرائی اور مقاتلہ کی نوبت آئی تو حازم کا میمنہ اور میسرہ شکست کھا کے بھاگ کھڑا ہُوا لیکن خود حازم کمال ثابت قدمی سے لڑتا رہا۔ آخر فوج کو گھوڑوں سے اتر کر پیش قدمی کا حکم

دیا۔ حازم اور اس کے سپاہی پیادہ پا ہو کے تیر اندازی کرتے ہوئے ملبد کی طرف بڑھے۔ یہ دیکھ کر ملبد نے بھی اپنی فوج کو گھوڑوں سے اتر کر تیر برسانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں ملبد کے میمنہ اور میسرہ نے اچانک حملہ کر دیا لیکن حازم کی فوج نے تیروں کا ایسا مینہ برسایا کہ خوارج ان کے قریب تک نہ پہنچ سکے۔ اس معرکہ میں نہ صرف خود ملبد جان سے مارا گیا بلکہ اس کے آٹھ سو لشکری بھی معرکہ کارزار میں کام آئے۔ تین سو خارجی پہلے ہی مارے جا چکے تھے۔ باقی جو بچے وہ بھاگ نکلے۔ حازم کے میمنہ نے ان کا تعاقب کر کے اکثر کو خواب گاہِ عدم میں سُلا دیا۔

اس واقعہ کے گیارہ برس بعد ۱۴۸ھ میں ایک اور خارجی نے جو حسام ہمدانی کے نام سے مشہور تھا اطرافِ موصل میں سر اُٹھایا۔ ان دنوں موصل کا عامل صقر بن نجدہ تھا۔ صقر نے اس کا مقابلہ کیا لیکن تاب مقاومت نہ لا کر دجلہ کی طرف پسپا ہو گیا۔ حسام نے موصل کے بازار میں آگ لگا دی دکانوں کو لوٹا اور رقہ ہوتا ہوا سندھ کو چلا گیا۔

حسام نے خارجیانہ عقاید اپنے ماموں حفص بن اشیم سے سیکھے تھے جو ملت خوارج کا ایک مشہور فقیہ تھا۔ جب خلیفہ منصور نے پہلی مرتبہ اس کے خروج و بغی کی خبر سُنی تو تعجب سے کہنے لگا کہ کیا ہمدان سے خارجی ظاہر ہوا؟ حاضرین نے عرض کیا یہ حفص بن اشیم کا خواہر زادہ ہے۔ منصور نے کہا

ہاں یہی وجہ ہے منصور کو تعجب اس بنا پر ہوا تھا کہ اہل ہمدان شیعانِ علی میں داخل تھے۔

جب عساکر خلافت نے خوارج کی حربی قوت کو پوری طرح توڑ دیا تو تمام خارجی اکابر خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس کی عفو و بخشش کو شفیع لاکر یہ عہد کیا کہ اگر وہ کبھی آئندہ سرتابی کریں تو ان کا مال و املاک لوٹ لیا جائے اور ان کا خون مباح کر دیا جائے۔ منصور نے ان کی سابقہ خطاؤں پر عفو کا خط کھینچ دیا اور ان کی خونریزی سے دست بردار ہو گیا۔

لہ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۶۸

بلادِ اسلامی پر قیصرِ رُوم کی یورش

قرآن حکیم، احادیث نبویہ اور اسلامی تاریخوں میں جہاں کہیں رُوم کا لفظ آیا ہے عوام غلطی سے اسے قسطنطنیہ کی مسیحی سلطنت خیال کرتے ہیں حالانکہ اس سے ایشیا کوچک کی وہ رومی سلطنت مراد ہوتی ہے جس کا پایۂ تخت ہرقلہ تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اوائل میں یورپ اور ایشیا کے اندر رومیوں کی ایک ہی متحدہ سلطنت قائم تھی جس کا پایۂ تخت رومہ تھا۔ جب ۳۲۸ء میں شاہ قسطنطین نے قسطنطنیہ آباد کیا تو اس کے کچھ عرصہ بعد وارثانِ تاج و تخت کے باہمی مناقشات نے رُوم کی یہ عظیم الشان سلطنت دو حصوں میں تقسیم کر دی۔ رومہ تو مغربی روم کا پایۂ تخت رہا اور قسطنطنیہ مشرقی حکومت کا دارالسلطنت قرار پایا جس کے زیر نگین جزیرہ نمائے بلقان، عراق، ایشیا کوچک، شام اور مصر تک کے ممالک تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد ایشیاء کوچک کے اس مغربی حصہ میں جسے ترک اناطولیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں) صد ہا رومی خاندانوں کے آباد

ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ سرزمین بھی روم ہی کے نام سے شہرت پذیر ہو گئی اور آیندہ چل کر یہاں ایک زبردست مسیحی سلطنت عالم وجود میں آئی جس کے تاجدار کو قیصر روم کہتے تھے اور ہرقیلہ (یا ہرکلی) اس کا پایہ تخت تھا۔ انجام کار یہ نام ایشیائے کوچک کی نصرانی حکومت کے ساتھ مخصوص سمجھا جانے لگا اور جس عہد سعادت میں کہ مرغان حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی اور پیغمبر آخرالزمان علیہ التحیتہ والسلام دنیا کی تشنگیٔ سعادت کو سیراب کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ ان دنوں عرف عام میں روم سے اناطولیہ کی یہی مسیحی سلطنت مراد لی جاتی تھی۔

قیصر روم کا اچانک حملہ چند آخری خلفائے بنو مروان کے دور حکومت سے لے کر عباسیوں کے ابتدائی سنینِ خلافت تک اسلامی دنیا خانہ جنگیوں کا آماج گاہ بنی ہوئی تھی۔ اور داخلی مناقشات نے مسلمانوں کو سخت کمزور اور غیر منظم کر دیا تھا۔ اس وجہ سے اغیار کو اس سے فائدہ اٹھا کر بلاد اسلامی پر تاخت کرنے کا حوصلہ ہوا۔ چنانچہ خلیفہ سفاح کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۳ھ میں جب کہ عباسی حکومت سخت خطرات کے حصار میں گھری ہوئی تھی قیصر قسطنطین شاہ روم نے قلعہ کمخ اور ملطیہ[1] پر چڑھائی کر دی۔ ابن اثیر نے قلعہ کا نام کمخ اور ابن خلدون نے بلخ لکھا ہے لیکن صحیح نام وہی ہے جو ابن اثیر نے بتایا ہے کیونکہ بلخ تو خراسان

[1] بفتح اللام وسکون الطاء (معجم البلدان جلد ۸۔ صفحہ ۱۵۰)

میں ہے، جو قیصری سرحد سے صدہا میل کے بُعد مسافت پر واقع تھا۔ البتہ کمخ اور ملطیہ کی جائے وقوع وہیں ہے جہاں قیصری سرحد حدُود خلافت سے ملتی تھی۔

قیصر نے قلعہ کمخ پر پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ قلعہ والوں نے اہل ملطیہ سے امداد طلب کی جنہوں نے آٹھ سو آدمیوں کو ان کی کمک پر بھیج دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس مختصر جمعیت سے رومیوں کے ٹڈی دَل کا کسی طرح کامیاب مقابلہ نہ ہو سکتا تھا۔ رومیوں نے انکو ہزیمت دیکر ملطیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ ملطیہ نے جزیرہ[1] کے عباسی گورنر سے مدد مانگی۔ مگر سوءِ اتفاق سے ان ایام میں خود جزیرہ میں بھی شورش برپا تھی اور وہاں کا عباسی گورنر موسیٰ بن کعب حرانی گیا ہوا تھا۔ اس لئے کوئی کمک نہ پہنچ سکی۔ شاہ رُوم نے محصورین کے پاس پیغام بھیجا کہ شہر ہمارے حوالے کر دو تو تم کو امان ہے۔ لیکن مسلمانوں نے حوالگی شہر سے انکار کر دیا۔

آخر جب محصورین کی زبونی منتہائے کمال کو پہنچ گئی اور بیرونی امداد سے بھی قطعی ناامیدی ہوئی تو شہر کو امن و امان کی شرط پر شاہ روم کے حوالے کر دیا اور خود جس قدر مال و متاع منتقل کر سکتے تھے ساتھ لیکر بلادِ جزیرہ کو ہجرت کر گئے۔ رومیوں نے شہر کو بالکل ویران کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر قالیقلا کی طرف بڑھے اور اس کو بھی مسخر کر کے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لے گئے۔[2]

---

[1] دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ کو جزیرہ کہتے ہیں۔ (قاموس الامکنہ والبقاع صفحہ ۷۳) [2] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۲۔ و جلد ۶ ص ۲، ابن خلدون جلد ۳۔ صفحہ ۲۰۳۔۲۰۴۔

قیصرِ رُوم کی ہزیمت

۱۳۷ھ میں منصور سریر آرائے خلافت ہوا۔ نصاریٰ کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے منصور کی تخت نشینی کے دوسرے سال بلادِ اسلامی پر مکرر یورش کی اور ملطیہ پر حملہ کر کے شہر پناہ کو منہدم کر دیا۔ خلیفہ نے اپنے بھائی عباس بن محمد گورنر جزیرہ و انطاکیہ کو رومیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس غزوہ میں خلیفہ نے اپنے دو چچوں صالح اور عیسیٰ کو بھی عباس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ عباس نہایت بہادری سے لڑا اور قیصرِ رُوم کو مار بھگایا۔ ۱۳۹ھ میں عباس نے ملطیہ اور اس کی فصیلوں کو دوبارہ تعمیر کرایا اور تارکانِ وطن کو ملطیہ واپس لا کر وہاں از سرِ نو آباد کرایا اور آئندہ کے حفظ و دفاع کے لئے یہاں ایک چھاؤنی بھی قائم کر دی۔ اسی سال خلیفہ نے قالیقلا کے ان اسیروں کا جو کچھ مدت قیصرِ روم کی قید میں تھے زرِ فدیہ ادا کر کے نصاریٰ کے ہاتھ سے آزاد کرایا۔

اب خلیفہ نے قیصرِ روم کی حربی قوت توڑنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ مملکتِ رُوم پر ایسے جانبازوں کے لشکر بھیج کر پیہم حملے کئے جائیں جو جذبۂ جہاد اور عشقِ قتال فی سبیل اللہ میں سرشار ہوں۔ چنانچہ اس قرارداد کے بموجب ملطیہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر عباس رومیوں پر حملہ آور ہوا اور اکثر بلادِ رومیہ کو تہ و بالا کر کے واپس آیا۔ اسی سال جعفر بن حنظلہ بہرانی نے بھی رومیوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسکے بعد عبدالوہاب بن ابراہیم غزا کو نکلا۔ حسن بن قحطبہ بھی ایک لشکرِ گراں کے ساتھ اسکی مدد کو بھیجا گیا۔ باوجودیکہ شامِ رُوم ایک لاکھ کی جمعیت سے مقابلہ

پر آیا تھا لیکن جب مقام جیجان پر پہنچا تو عساکر اسلامیہ کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر بلا قتال واپس چلا گیا۔

گو خلیفہ نے رومیوں پر مسلسل یورشیں کر کے انکی پامالی کا تہیہ کر لیا تھا لیکن ۱۴۰ھ کے بعد کئی سال تک خلیفہ اس وجہ سے کوئی جیش روانہ نہ کر سکا کہ پہلے تو بنو حسن (محمد و ابراہیم) کی مصاف آرائیوں میں وقف اضطراب رہا۔ اس کے بعد تعمیر بغداد کا مشغلہ اور بعض دوسری مہمیں درپیش تھیں۔

قیصر کی طرف سے جزیہ دینے کا عہد ۱۴۹ھ میں عباس بن محمد، حسن بن قحطبہ اور محمد بن اشعث جنگ نصاریٰ کے لئے بھیجے گئے۔ لشکر اسلام نے بلاد روم میں پہنچ کر کھلبلی ڈال دی۔ لیکن عباسی اس سفر میں رہ گزار عالم آخرت ہو گیا۔ ۱۵۴ھ میں خلیفہ کے حکم سے زفر بن عاصم نے بلاد روم پر فوج کشی کی۔ بہت سے مجاہد ہمراہ رکاب گئے۔ یہ لوگ شیر غراں کی طرح حملے کر کے غنیم کو مارتے کاٹتے واپس آئے۔ ان پے در پے حملوں سے قیصر کے دل پر شجاعان اسلام کی کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ ۱۵۵ھ میں اس نے خلیفہ منصور سے مصالحت کی درخواست کی۔ آخر ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے قیصر نے خلیفہ کو ہر سال ایک رقم خطیر ادا کرنے کا اقرار کر کے نجات حاصل کی۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۲ و جلد ۶ صفحہ ۲، ابن خلدون جلد ۳۔ ص ۲۰۳ - ۲۰۴۔

ایک مُدّعی نبوّت کی فتنہ انگیزی

اسلام کو گزشتہ تیرہ سو سال کی مدت میں جن خوفناک دشمنوں سے سابقہ پڑا ہے، ان میں خود ساختہ نبیوں کی ستیزہ کاری خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام کے بیرونی دشمنوں نے اسلام کو جو چشم زخم پہنچایا وہ تو اپنی ذاتی قوت سے پہنچایا لیکن ملّت حنیفی کے باطنی اعدا یعنی متنبّی خود اسلام ہی کی جمعیت کو توڑ کر اسے ملت بیضا کے خلاف آلۂ کار بناتے رہے گو بعض مدعیان نبوت ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے بزعم خود اقوام و ملل عالم کو مٹانے کے ارادہ سے کوئی جھوٹا دعویٰ کیا لیکن ایسی مغویانہ کوششوں کا انجام ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ مذہبی تفرقے مٹنے کے بجائے ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا ہے اور جھگڑے دور ہونے کی جگہ ان میں اور ترقی ہوئی ہے۔

انہی خانہ ساز نبیوں میں ایک شخص استاد سیس بھی تھا جو ۱۵۰ھ میں اطراف خراسان میں ظاہر ہوا۔ کہتے ہیں کہ استاد سیس مراجل مادر خلیفہ مامون عباسی کا باپ اور اس کا بیٹا غالب خلیفہ مامون کا ماموں تھا[1]۔ دعوائے نبوت کے تھوڑا عرصہ بعد باذغیش اور سجستان وغیرہ کے

تین ہزار جنگ آور اس کے آس پاس جمع ہو گئے جن کی مدد سے اس نے خراسان کے بعض علاقے دبا لئے۔ گورنر مرورود نے مقابلہ کیا لیکن استاد سیس نے ہزیمت دے کر اس کی فوج کے حصہ کثیر کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد جو جو سپاہ سالار اس کے مقابلہ پر جاتے رہے انہی کو ہزیمت دیتا رہا۔ انجام کار خلیفہ نے حازم بن خزیمہ کو اس کے مقابلہ پر بھیجا

حازم نے تین ہزار فوج سے استاد سیس پر دھاوا کیا اور غنیم کو دھوکا دینے کے لئے متعدد خندقیں اور مورچے قائم کئے۔ ہر ایک خندق کو دوسری سے بذریعہ سرنگ ملا دیا۔ اسی طرح ایک خندق جو بہت بڑی تھی اپنے سارے لشکر کیلئے کھدوائی۔ اس بڑی خندق کے چار دروازے رکھو لئے۔ ہر ایک دروازہ پر بڑے بڑے آزمودہ کار فوجی سرداروں کو ایک ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ متعین کیا۔

استاد بھی مقابلہ پر آیا۔ اس نے سب سے پہلے اگلے دروازے پر جنگ شروع کی جو ایک فوجی سردار بکار بن مسلم کی نگرانی میں تھا۔ بکار کے سپاہی ایسی جان بازی سے لڑے کہ مخالفوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ استاد سیس کے پیرو یہاں سے منہزم ہو کر حریش نام ایک افسر کی قیادت میں اس دروازہ کی طرف بڑھے جس پر خود حازم موجود تھا۔ حازم نے حریف کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہثیم بن شعبہ کو جو میمنہ پر تھا بکار کی طرف سے نکل کر حریف پر

عقب سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود حازم سینہ سپر ہو کر حریش کے مقابلہ پر آیا۔ اس وقت آتشکدۂ حرب پوری شدت کے ساتھ شعلہ زن تھا۔ اتنے میں حریش کے عقب سے ہشیم کی فوج کے پھریرے فضا میں اڑتے دکھائی دیئے حازم کی سپاہ نے جوشِ مسرت میں تکبیر کی صدائیں بلند کیں اور نعرۂ اللہ اکبر کے ساتھ سب نے پوری قوت کیساتھ ہلہ بول دیا۔ جیسے ہی حریف کا لشکر بقصد فرار پیچھے کو ہٹا ہشیم کی فوج نے اسے تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ اعدا کو مار مار کر اُنکے پرخچے اڑا دئے۔ ہزار ہا ہلاک اور چودہ ہزار قید ہوئے۔ استادسیس چند ساتھیوں کے ہمراہ بھاگ کر ایک پہاڑ میں جا چھپا۔ حازم نے فوراً محاصرہ ڈال دیا اور استادسیس اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کر لیا[1]

اب وہ وقت آگیا تھا جب کہ خلیفہ ابوجعفر منصور کا خورشید خسروی اوجِ کمال پر پہنچ چکا تھا۔ سادات و علویین کے رقیبانہ حوصلے پست ہو چکے تھے۔ قیصرِ روم کی امنگیں سطوتِ منصوری کے سامنے سربسجود تھیں۔ خوارج بھی سرنگون نظر آتے تھے۔ اب خلیفہ نے تمام خرخشوں سے نجات پاکر پورے اطمینانِ خاطر کے ساتھ اپنی عنانِ توجہ دینی خدمات اور علمی مہمات کی طرف معطوف کر دی۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۸

شاہزادہ مہدی کی ولیعہدی

خلیفہ ابو العباس سفاح نے اپنے برادرزادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو منصور کے بعد ولیعہد متعین کر کے کوفہ کی امارت پر متعین کیا تھا۔ اس زمانہ سے عیسیٰ برابر کوفہ کا گورنر رہا۔ جب مہدی سن رشد کو پہنچا تو منصور کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے فرزند مہدی کو ولیعہدی میں عیسیٰ پر مقدم کر دے۔ معمول یہ تھا کہ عیسیٰ کو بنظر اعزاز منصور کی داہنی جانب اور مہدی کو بائیں طرف بیٹھنے کو جگہ ملتی تھی۔ ایک مرتبہ منصور نے عیسیٰ کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی جگہ مہدی کو ولیعہد سلطنت بنائے جانے کی اجازت دے۔ عیسیٰ عرض پیرا ہوا امیر المومنین! میری بیعت کا قلادہ خود میری اور نیز تمام مسلمانوں کی گردنوں میں پڑا ہوا ہے اس سے خلع کیونکر ممکن ہے؟ اور کہا کہ میں اس ردّ و بدل کو کبھی منظور نہ کروں گا۔

منصور پر اپنے بھتیجے کا یہ انکار سخت شاق گزرا۔ نظروں سے گرا دیا اور نشستوں کی ترتیب بدل دی۔ اب منصور مہدی کو عیسیٰ سے پہلے دربار میں آنے کی اجازت دیتا تھا۔ جب مہدی آ کر داہنی طرف بیٹھ جاتا تو اس کے بعد خلیفہ کے چچوں عیسیٰ بن علی اور عبدالصمد بن علی کو حاضری کی اجازت

دی جاتی تھی۔ جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تھے تو اخیر میں عیسیٰ باریاب ہو کر مہدی کے پہلو میں جگہ پاتا تھا۔

منصور مدت تک عیسیٰ سے کبیدہ خاطر رہا۔ بالآخر اسکی گورنری کے تیرھویں برس یعنی ۱۴۷ھ میں اسے معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن سلیمان کو کوفہ کا عامل بنا دیا۔ اب عیسیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ منصور نے بلطائف الحیل لوگوں سے مہدی کے لئے ولیعہدی کی بیعت لی اور عیسیٰ کو مہدی کا ولیعہد مقرر کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو ولیعہد بنانے میں جو جوڑ توڑ کئے ان پر گیارہ لاکھ درہم خرچ ہوا۔

لیکن ابن خلدون لکھتا ہے کہ میں نے اس قسم کے الزامات کو دانستہ قلم انداز کر دیا ہے کیونکہ یہ الزامات خلیفہ منصور کی شان عدالت کے شایاں نہ تھے۔ ان کی وجہ سے اس کے دامن انصاف پر دھبہ لگتا تھا۔ بلکہ عجب نہیں کہ ان بیانات میں صداقت کا کوئی بھی شائبہ نہ ہو[1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳۔

خلیفہ منصور کی وفات

بائیس برس کی پرشکوہ سلطنت وفرمان روائی کے بعد اب منصور کے لئے یک بیک علائق دنیاوی کے منقطع کرنے کا وقت آگیا۔ ۱۵۸ھ میں منصور نے حج کا قصد کیا۔ رخصت کے وقت ولیعہد سلطنت کو بلاکر اس طرح وصیتیں کیں کہ سفر حج گویا سفر آخرت ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان وصایا کے بعد مہدی کو رخصت کیا اور خود کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔

کوفہ پہنچ کر حج و عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے جانوروں پر نشان لگا کر ان کو آگے روانہ کر دیا۔ کوفہ سے دو ایک منزل جانے کے بعد درد اٹھا۔ یہ درد رفتہ رفتہ بڑھتا رہا۔ جب بیر میموں میں پہنچا تو ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو حیات مستعار کے سارے علاقے توڑ کر توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر دی۔ وفات کے وقت خدام اور ربیع نام ایک آزاد غلام کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ بائیس برس سلطنت کی اور ۶۳ برس اور چند ماہ کی عمر پائی [1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۰۴ - ۲۰۵ +

ابوجعفر منصور اپنے پیچھے دس بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑ گیا۔ بیٹوں کے نام یہ تھے۔ مہدی، جعفر اکبر، صالح، سلیمان، عیسیٰ، یعقوب، جعفر اصغر، قاسم، عبدالعزیز، عباس۔ لڑکی کا نام عالیہ تھا۔ یہ نام ابن قتیبہ نے گنوائے ہیں[1]۔ مگر ابن اثیر نے آٹھ بیٹوں کے نام درج کئے ہیں۔ عبدالعزیز اور عباس کا نام نہیں لکھا[2]۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۹ ۔ [2] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۔

منصور کے حدودِ مملکت

اور اُس کے عمال

تواریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت منصوری کی ساری حربی قوت مقامی شورشوں کے فرو کرنے یا بیرونی دشمنوں کی مدافعت ہی کی نذر ہوگئی اس لئے کوئی نئی سرزمین عباسی قلمرو میں شامل نہ ہو سکی۔ اس طرح سلطنت کی وسعت انہی ممالک تک محدود رہی جن پر سفاح اور آخری اموی خلفار حکمران تھے۔ ہم ذیل میں منصوری عمال کے اسمار اور ان کے زیر حکومت صوبوں کے نام درج کرتے ہیں۔ اس سے خلیفہ منصور کی وسعت جہانبانی کا خودبخود اندازہ ہو جائے گا۔ جن صوبوں کے مقابلہ میں متعدد گورنروں کے نام درج ہیں وہ یکے بعد دگرے برسر حکومت ہوئے ہیں:۔

کوفہ۔ عیسیٰ بن موسیٰ، محمد بن سلیمان، عمر بن زہیر ضبی۔

شام۔ عبداللہ بن علی۔

بصرہ۔ سلیمان بن علی، سفیان بن معاویہ، سالم بن قتیبہ باہلی، محمد بن سلیمان، محمد بن سفاح، عقبہ بن سالم، نافع بن عقبہ، عبداللہ بن حسن عنبری۔

مِصر۔ صالح بن علی، حمید بن قحطبہ، نوفل بن فرات، یزید بن حاتم، محمد بن سعید، محمد بن کاتب، مسطر (منصور کا آزاد غلام)

موصل۔ اسمٰعیل بن علی، مالک بن ہیثم خزاعی، جعفر بن منصور، خالد بن برمک اسمعیل بن خالد، موسیٰ بن کعب۔

جزیرہ وانطاکیہ۔ یزید بن اسید، عباس بن محمد، موسیٰ بن کعب۔

مکہ معظمہ و طائف۔ عباس بن عبداللہ، سری بن عبداللہ، عبدالصمد بن علی، محمد بن ابراہیم، ابراہیم بن یحییٰ بن محمد۔

مدینہ منورہ۔ زیاد بن عبیداللہ حارثی، محمد بن خالد، ریاح بن عثمان، عبداللہ بن ربیع، جعفر بن سلیمان، حسن بن زید، عبدالصمد بن علی۔

یمامہ۔ سری بن عبداللہ بن حرث بن عباس رض، قثم بن عباس بن عبداللہ بن عباس رض۔

یمن۔ قثم بن عباس بن عبداللہ رض بن عباس رض، یزید بن منصور۔

بحرین و عمان۔ سعید بن دعلج

خراسان۔ ابوداؤد خالد بن ابراہیم، عبدالجبار بن عبدالرحمٰن، اسید بن عبداللہ، حمید بن قحطبہ۔

سجستان۔ معن بن زائدہ، یزید بن یزید۔

اہواز و فارس۔ عمارہ بن حمزہ، نصر بن حرب۔

آذربائیجان } یحییٰ بن خالد برمکی۔
آرمینیا }

افریقیہ۔ عمر بن حفص۔

قیروان۔ حبیب بن حبیب مہلبی۔

سندھ۔ موسیٰ بن کعب، عینیہ بن موسیٰ، عمر بن حفص، ہشام بن عمرو تغلبی
معبد بن خلیل[1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳۔

منصور کا علم و فضل

اور اس کے علمی کارنامے

خلیفہ منصور علوم عقلیہ و نقلیہ کا بہت بڑا ماہر اور فاضل گراں پایہ تھا۔ علماء و مورخین نے اس کے علمی کمالات کو بڑے شاندار الفاظ میں سراہا ہے۔ صولی کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور علم حدیث و انساب میں اعلم الناس تھا۔ اور ان کے حفظ و طلب کے ساتھ اسے خاص شغف و انہماک تھا۔[1]

امام مالک جیسے رئیس المجتہدین و سند المحدثین نے منصور کے علم و بصیرت کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:۔

فاتحنی فیمن مضی من	اس نے میرے ساتھ علمائے اولین
السلف والعلماء فوجدتہ	اور سلف صالحین کے حق گفتگو
اعلم الناس بالناس ثم	شروع کی تو میں نے اسے سب سے
فاتحنی فی العلم والفقہ	زیادہ ذی علم پایا۔ پھر دوسرے
فوجدتہ اعلم الناس بما	علوم پر باہم مذاکرہ ہوا تو تمام

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۰۲ ترجمہ ابوجعفر منصور

اجتمع علیه واعرفنا فیها	متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل کا
اختلفوا فیه حافظا عارفاً	بہت بڑا حافظ و عالم ثابت ہوا۔ تمام
واعیاً لما سمع له	روایتیں اسے از بر تھیں۔ مرویات
	پوری طرح یاد تھے

اصل یہ ہے کہ قضا و قدر نے اُسے ائمہ مجتہدین کے بجائے زمرۂ خلفاء وسلاطین میں داخل کر دیا ورنہ اس کا علم و فضل اس اوج پر پہنچا ہوا تھا کہ اگر وہ علماء کی بزم فضیلت میں جلوہ گری کرتا تو اس مقدس گروہ میں بھی وہ صدر نشین نظر آتا۔

امام ابو حنیفہؒ کی رحلت کے بعد جب امام مالکؒ کی خلیفہ منصور سے ملاقات ہوئی تو خلیفہ نے حضرت امام مالک سے موطا کی تالیف کے لئے جن الفاظ میں فرمائش کی تھی ان سے منصور کے علمی پایہ کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ منصور نے کہا تھا:۔

یا ابا عبد الله انه لم یبق	اے ابو عبد اللہ اب روئے زمین
علی وجه الارض اعلم منی	پر علم میں ہم دونوں کا کوئی ہمپایہ
ومنك وانی قد شغلتنی الخلافة	باقی نہیں رہا۔ لیکن میں تو خلافت
فضع انت للناس کتابا ینتفعون	کے دھندوں میں مشغول ہوں۔
به تجنب فیه رخص ابن	اس لئے آپ ہی لوگوں کی نفع

عباسؓ وشدائد ابن عمرؓ قال مالک فواللہ لقد علمنی التصنیف یومئذٍ لہ

رسانی کے لئے ایک ایسی کتاب تالیف فرمادیجئے جو ابن عباس کی سہولتوں اور ابن عمرؓ کی سختیوں کے بین بین اور معتدل ہو۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے مجھے اس دن تصنیف وتالیف کا طریقہ سکھا دیا۔

ایک مرتبہ منصور نے قثم بن عباس عامل یمامہ سے پوچھا کہ تمہیں اپنے نام کے معنی بھی معلوم ہیں یا نہیں اور کیا جانتے ہو کہ اس لفظ کا ماخذ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا آپ ہی بتلا دیجئے۔ منصور نے کہا بڑے نادان ہو کہ اپنے نام کے معنی سے بھی بے خبر ہو۔ دیکھو تمہارا نام ہاشمی خاندان کے ناموں میں سے ہے۔ قثم کہنے لگا امیر المومنین کا خیال درست ہے۔ منصور نے کہا قاثم اس شخص کو کہتے ہیں جو کھانے کے بعد سخاوت کرے اور بذل وایثار کا خوگر ہو۔

کتب تاریخ میں منصور کے وسعت علم اور بصیرت فنون کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ جنہیں ہم بخوف تطویل قلم انداز کرتے ہیں۔

علماء سے استفسار باوجودیکہ منصور خود بھی ایک بے بدل فاضل تھا لیکن اس کی عادت تھی کہ اکثر مہمات امور میں علمائے معاصرین سے مشورہ کرتا اور ان کے خوانِ علم سے زلہ ربائی کرتا تھا۔ جب حسان خارجی نے علم تمرد

بلند کیا تو خلیفہ نے اہل موصل کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر جرار بھیجنے کا قصد کیا کیونکہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اقرار کیا تھا کہ اگر وہ لوگ آئندہ بھی شیوۂ بغاوت اختیار کریں تو ان کا مال و املاک لوٹ لیا جائے اور خون مباح کر دیا جائے۔ آخر استفسار کی غرض سے علمائے کبار میں سے امام ابوحنیفہؒ، عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ اور ابن شبرمہ دربار خلافت میں طلب کئے گئے اور مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:۔

اباحوا مالا یملکون	خوارج نے مسلمانوں کے خون کو اس
کما اباحت امرأۃ فرجھا	طرح مباح کر رکھا ہے جس طرح کوئی
بغیر عقد شرعی	عورت اپنے ناموس کو شرعی عقد کے
	بغیر مباح کر دے۔

منصور یہ سن کر ہنس پڑا۔ حضرت امامؒ کے اس قول کا مطلب و منشاء یہ تھا کہ خوارج کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ لیکن ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ نے نرمی و ملاطفت اور عفو کی رائے دی۔ گو شرعاً و سیاستاً امام ابوحنیفہ ہی کی رائے صائب تھی لیکن منصور نے مصلحت وقت کے لحاظ سے ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کی رائے پر عمل کیا اور خوارج موصل کی تعزیر و خونریزی سے رک گیا[1]

علم حدیث سے شغف | منصور علوم نظریہ کے ساتھ علم حدیث میں بھی بڑا

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۶۸

کمال رکھتا تھا اور اس فن کا ناقد و مبصر تھا۔ اس بارہ میں امام مالکؒ کا قول پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں متعدد ایسی روائتیں مع اسناد درج کی ہیں جو خلیفہ منصور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا تھا۔

خلیفہ منصور کو حدیث نبوی کے ساتھ جس درجہ شغف و شیفتگی تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شاہزادہ مہدی ولیعہد کو علم حدیث کی تحصیل کے لئے بغداد سے مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ مہدی نے حضرت موصوف سے کتاب موطا، پڑھی۔ اور جب اس کی تحصیل سے فراغت پائی تو چار ہزار دینار زر سرخ استاد علامؒ کی نذر کئے۔ مہدی نے اس رقم خطیر کے علاوہ حضرت امام مالکؒ کے فرزند گرامی کو بھی ایک ہزار دینار دے کر حق خدمت گزاری ادا کیا۔[1]

حدیث نبوی کی مزاولت و انہماک خلیفہ منصور کی زندگی کا اہم و محبوب ترین مشغلہ تھا لیکن مہمات خلافت اس شوق کو کسی طرح پورا نہ ہونے دیتے تھے۔ محمد بن سلام کا بیان ہے کہ کسی نے خلیفہ منصور سے دریافت کیا کہ واہب العطایا نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں امیر المومنین کو عطا فرمائی ہیں کیا آپ کو کوئی ایسی آرزو بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا صرف ایک تمنا ہے جو آج تک پوری نہیں ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ میں

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹

ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے اردگرد بیٹھے ہوں"۔
دوسرے دن جب منصور کے ندیم اور وزرا قلم دان اور دستاویزیں لے کر منصور کے پاس پہنچے تو اس وقت یہ مستقسر بھی موجود تھا۔ کہنے لگا امیرالمومنین! لیجئے آپ کی یہ تمنا بھی برآئی۔ خلیفہ نے کہا یہ وہ لوگ نہیں ہیں۔ جن نفوس قدسیہ کے شرف قدوم کی مجھے تمنا ہے ان کے کپڑے میلے، پیر پھٹے ہوئے اور بال بڑھے رہتے ہیں۔ نادر روزگار اور شہرۂ آفاق ہوتے ہیں۔ روایتِ حدیث ان کا مشغلہ ہے"۔

کتب حدیث و فقہ کی تدوین خلیفہ ابوجعفر منصور کا عہد خلافت اسلامی علوم کی تدوین کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ ۱۴۳ھ میں علمائے اسلام نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تدوین و تالیف کا مبارک کام شروع کیا۔ چنانچہ ابن جریج نے مکہ معظمہ میں، امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں، امام اوزاعی نے شام میں، ابن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ وغیرہ نے بصرہ میں، معمر نے یمن میں اور سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں حدیث کی کتابیں لکھیں۔ ابن اسحاق نے مغازی لکھی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فقہ اور عقائد پر تصنیفیں کیں اور ہشیم، لیث، ابن لہیعہ، عبداللہ بن مبارک، قاضی ابویوسف، ابن وہب وغیرہ نے مختلف مضامین پر کتابیں تصنیف کیں۔ تدوین علم کی کثرت ہوئی کتب عربیہ، لغت، تاریخ، رجال، سیر وغیرہ بے بہا

کتابیں لکھی گئیں۔ اس سے پیشتر علماء کی تعلیم و تعلّم کا مدار یا تو حافظہ و یادداشت پر تھا یا مختلف لوگوں کے غیر مرتب نسخے ہوتے تھے جن سے تعلیم دیا کرتے تھے[1]۔

خلیفہ منصور کا سب سے مہتم بالشان علمی کارنامہ جو ابدالدہر تک یادگار رہے گا موطا، امام مالک کی تالیف ہے۔ کتاب اللہ کے بعد دوسری صحیح کتاب جو ارباب ایمان کے ہاتھ میں آئی وہ یہی موطا، امام مالکؒ ہے۔ جب مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر خلیفہ منصور سے امام مالک کی ملاقات ہوئی اور بہت دیر تک علمی مذاکرہ رہا تو منصور نے آپ سے درخواست کی کہ آپ علم حدیث میں کوئی کتاب مدون فرمائیں۔ چنانچہ امام مالکؒ حج سے لوٹ کر اسی کار خطیر میں مصروف ہو گئے اور ایک سال کے اندر یعنی شاہزادہ مہدی کے قدوم مدینہ سے پیشتر کتاب موطا، کی تکمیل کر دی[2]۔

عجمی کتابوں کے ترجمے خلیفہ منصور کو سب سے زیادہ جس چیز نے بقائے دوام کا اعزاز بخشا ہے وہ اس کے علمی کارنامے ہیں۔ خلفائے بنو عباس میں گو خلیفہ منصور بخل یا حد سے بڑھی ہوئی کفایت شعاری میں بدنام تھا لیکن اس نے علمی ترقیوں کے لئے شاہانہ حوصلہ سے کام لے کر خزانوں کے منہ ہر وقت کھول رکھے تھے۔ اسی سلسلے میں اس نے قیصر روم کو لکھا کہ عجم کی اہم علمی کتابوں کے عربی ترجمے کرا بھیجے۔ اس سلسلہ جنبانی کی یہ وجہ تھی

[1] تاریخ الخلفاء ترجمہ ابوجعفر منصور۔ [2] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷-۱۴۹۔

کہ ان ایام میں عباسی دار الخلافت میں کوئی لائق زبان دان عالم موجود نہ تھا جو فلسفہ اور دوسرے علوم کی عجمی کتابوں کو سمجھ سکتا۔ قیصر نے متعدد علمی کتابیں ترجمہ کرا کے بھیج دیں۔ ان کتابوں کو پڑھ کر علمائے اسلام علوم عقلیہ کے اور زیادہ گرویدہ ہو گئے۔ چونکہ اب خلیفہ نے بھی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا تھا اس لئے اقطاع ارض کے علماء و حکماء باامید قدردانی عباسی دار الخلافہ کا سفر اختیار کرنے لگے[1]

سیوطی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے منصور ہی نے سریانی اور دوسری زبانوں سے کلیلہ دمنہ اور اقلیدس وغیرہ علمی کتابوں کے ترجمے کرائے[2]۔ اسی طرح دوسرے مورخوں کی بھی یہی رائے ہے کہ سب سے پہلے جس خلیفہ نے ترجموں کی بنیاد ڈالی وہ خلیفہ منصور تھا لیکن مستند شہادتوں سے پایا جاتا ہے کہ خلفائے بنو امیہ ہی کے عہد سے یونانی علوم کے ترجمہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ شروع شروع میں جو ترجمے ہوئے وہ صرف کتب طب تک محدود تھے۔ جب عہد منصوری میں قیصر روم کے فرستادہ ترجموں کی بدولت علمی مذاق کو ترقی ہوئی تو فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا بھی ترجمہ شروع ہوا۔

جن علماء نے خلیفہ منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جورجیس بن جبرئیل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی کا

[1] کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ لندن جلد ۳۔ ص ۹۱-۹۲ [2] تاریخ الخلفاء

لباس پہنایا[1]

۲۔ بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی ایک کتابوں کا عربی ترجمہ کیا[2]

۳۔ عبداللہ بن مقفع جس نے کلیلہ و دمنہ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ کتاب کلیلہ و دمنہ رائے داشلیم نام کسی ہندوستانی راجہ کے لئے ایک ہندی حکیم نے لکھی تھی۔ جب نوشیروان عادل والئ ایران کو اس کتاب کی خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے برزویہ نام ایک حکیم کو پانچ لاکھ دینار زر سرخ دے کر اس غرض سے ہندوستان بھیجا کہ وہ کلیلہ دمنہ کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کرلائے۔ اس تقریب سے یہ کتاب ہندوستان سے ایران پہنچی۔ اس کے بعد عہد اسلامی میں عبداللہ بن مقفع نے خلیفہ منصور کے حکم سے اس کا فارسی سے عربی لغت میں ترجمہ کیا[3]

کتب فلسفہ، طب و اخلاق کے ترجموں کے علاوہ عہد منصوری میں علم ریاضی کو بھی بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان پنڈت منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سن کر بغداد وارد ہوا۔ اُس نے خلیفہ کی خدمت میں ایک نہایت عمدہ

---

[1] عیون الانبا۔ فی طبقات الاطبا۔ لابن ابی اصیبعہ جلد اول۔ صفحہ ۱۲۳ +

[2] عیون الانبا۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۰۴ + [3] کشف الظنون جلد ۵۔ صفحہ ۳۷ - ۲۳۸ - (مطبوعہ لندن)

زیچ پیش کیا۔ یہ زیچ اس نے ایک عمدہ تصنیف سے جو ہندوستان کے ایک مہاراجہ موسوم بہ بیگر کی طرف منسوب ہے خلاصہ کیا تھا۔ محمد بن ابراہیم فرازی نے منصور کے حکم سے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور اس سے ایک کتاب مرتب کی جو ریاضی دانوں میں سند ہند کے نام سے مشہور ہے۔ خلیفہ مامون کے زمانہ تک اعمالِ کواکب میں اسی زیچ پر عمل کیا جاتا تھا[۵]

---

[۵] گزشتہ تعلیم مسلمانان علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۱ مطبوعہ لکھنؤ

عجمی عمّال کا تقرر

خلیفہ منصور اور اس کے جانشینوں نے اپنے علمی ذوق میں جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ دوسری زبانوں کے بہت سے علوم عربی زبان میں نقل کر کرلئے ظاہر ہے کہ یہ تو ایک نہایت مستحسن فعل تھا جس کی بدولت مسلم علماء و اطباء کو علوم نظریہ اور یونانی طب سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ لیکن اس کے سوا ہر شعبہ میں عجمیت کو عربیت پر ترجیح دی گئی۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلے منصور ہی نے عجمیوں کو اہل عرب پر حاکم بنایا اور ان تقررات میں یہاں تک غلو کیا کہ عرب عمال کا تقرر ہی موقوف ہو گیا[1]

مگر اہل نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اس مسلک نے آگے چل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ عرب داعی نہ رعایا پر ایرانی اور ساسانی معاشرت متسلط ہو گئی۔ اب ان میں نہ عربی وضع قطع ہی باقی رہ گئی تھی نہ معاشرت کی عربی سادگی تھی۔ نہ وہ اگلا عربی لٹریچر تھا اور نہ عرب کی ولولہ خیز شاعری کا کہیں پتہ تھا بلکہ عجمیت کی ہر جگہ تنتی تھی۔

برخلاف بنو امیہ کے نہ وہ تہوار نہیں منائے گئے دربار ہمیشہ

[1] تاریخ الخلفاء ترجمہ ابو جعفر منصور۔

خالص عربیت کے رنگ میں ڈوبے رہے اور اسی وجہ سے ان کے عہد میں عربی زبان، عربی لٹریچر اور عربی مذاق نے خوب ترقی کی۔ گو خلفائے بنو امیہ قیصر و کسریٰ سے بڑھ کر شان و شوکت دکھا رہے تھے اور زمین و آسمان عیش و راحت کے گہوارے بنے ہوئے تھے تاہم انہیں اپنے مذاق عربیت کے قیام و بقا کا یہاں تک اہتمام تھا کہ شاہزادوں اور اعیان دولت کے فرزند اس غرض سے صحرائے عرب میں بھیجے جاتے تھے کہ قبائل عرب میں رہ کر خالص اور فصیح عربی زبان کے ساتھ عربی خصائل و آداب کو سیکھیں اور بدوی شجاعت سے نا آشنا نہ ہونے پائیں۔ مگر عباسی حکمرانوں کے عہد میں یہ طریقہ تعلیم مفقود ہو چکا تھا۔

کہا جا سکتا ہے کہ "بنو مروان کے عہد خلافت تک عرب لوگ عجمی مذاق و معاشرت سے روشناس نہیں ہونے پائے تھے اس لئے کہ وہ عربی فتوحات کا عربی دور تھا" لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اسپین کے اموی تاجداروں نے جن میں سب سے پہلا حکمران امیر عبد الرحمٰن (بن معاویہ بن خلیفہ ہشام اموی) تھا، خود خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں، جزیرہ نمائے عرب سے ہزارہا میل کے بعد مسافت پر سلطنت قائم کر کے عربی مذاق، عربی وضع اور عربی معاشرت کو علی حالہا قائم رکھا تھا اور مفتوح اندلسی مسیحیوں کی تہذیب و تمدن ان پر کسی طرح

نظرانداز نہ ہو سکی تھی۔

غالباً یہ بھی کہا جائے گا کہ "اسپین میں مسلمانوں کی علمی زندگی ممالک شرقیہ کی نسبت جداگانہ نوعیت رکھتی تھی۔ ممالک مشرقیہ میں علم و فن کا آغاز دولت عباسیہ سے ہوا۔ عباسی حکومت کے اعضائے ترکیبی زیادہ تر خمیر پارسی اور مسیحی قومیں تھیں اور اس وقت تک ان کا ہر قسم کا ترجمہ لٹریچر موجود تھا۔ اس لئے عربی تمدن و معاشرت اور اسلامی علوم و فنون کا ان کی آمیزش سے متاثر ہونا ناگزیر تھا اور اسپین کی حالت اس سے بالکل جداگانہ تھی کیونکہ وہاں اسلامی حکومت کی ترکیب بالکل خالص اور بے میل تھی اور مفتوحہ قوموں کا کوئی علمی لٹریچر موجود نہ تھا۔ اور تھا تو اس قدر کمزور تھا کہ فاتح لٹریچر پر اثر نہیں ڈال سکتا تھا"

مگر ہمارے نزدیک یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر فاتح قوم عربی معاشرت اور عربی مذاق کو قائم و محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتی اور حکومت کی ہیئت ترکیبی خالص عربی رکھی جاتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ مفتوح اقوام کی تہذیب و تمدن سے مغلوب ہو جاتا۔ اسلامی تمدن اور عربی خصائص کی نگہداشت کے لئے اسپین کی اموی حکومت کی طرح دولت عباسیہ کے قوائے ترکیبی میں بھی عربوں کے سوا کسی دوسری قوم کا شائبہ نہ ہونا چاہیئے تھا اگر ایسا کیا جاتا تو ممکن نہ تھا کہ عربیت کو حکومت و سلطنت

کے باوجود مجمیت کے مقابلہ میں زک اٹھانی پڑتی۔ اہل مغرب کو دیکھو کہ جہاں کہیں جاتے ہیں اقوام مفتوحہ کے تمدن و معاشرت کو نیچا دکھا کر لوگوں کو اپنے تمدن و معاشرت اور زبان کا گرویدہ بنادیتے ہیں۔ اور کسی مغلوب قوم کا لٹریچر کسی درجہ زندہ موجود کیوں نہ ہو اور اس کی تہذیب سے ہزار سالہ قدیم کیوں نہ ہو تاہم وہ اپنی معاشرت اور وضع قطع چھوڑ کر مفتوحین کے طور طریقے کبھی اختیار نہیں کرتے۔

منصور کے عادات و خصائل

خلیفہ منصور ہیبت، شجاعت، اصابت رائے اور متانت عقل میں تمام بنو عباس پر فائق گزرا ہے۔ ذہن و جودتِ طبع میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ فصیح و بلیغ، ادیب و فقیہ تھا۔ لہو و لعب کے پاس نہیں پھٹکتا تھا۔[1]

زہد و ورع | منصور کو حکمرانی و جہانبانی کے ساتھ دینداری میں اس قدر انہماک تھا کہ فارغ اوقات میں جب دیکھئے ذکر و تسبیح اور علم حدیث کی مزاولت میں مصروف نظر آتا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ کبائر و منکرات سے نافر تھا۔ علماء، دا،ل ذکر سے علمی صحبتیں رہتی تھیں۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بہت سے نفلی حج ادا کئے۔ حصول خلافت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۸ھ میں مسجد حرام کی توسیع کی۔[2]

خلیفہ منصور نے خلافت و حشمت سے بذات خود کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت و بادشاہی سے اس نے جو کام لیا وہ دین قویم کی خدمت، خلائق کی کاربرآری اور عام نفع رسانی تھی۔ اور باوجودیکہ منصور کا عہد حکومت شاہانہ ناز و نعمت کا اوج شباب تھا مگر اس کے اندر

[1] تاریخ الخلفاء ترجمہ ابوجعفر منصور۔ [2] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ ۰

زہد و قناعت کے وہی انداز موجود تھے جو اس کے اسلاف کرام کا جوہر تھے منصور کے زہد و اتقاء کا باوجود تمام تر اقبال مندیوں کے یہ عالم تھا کہ ساری عمر فقر و فاقہ سے بسر کی اور حظوظ فانیہ سے کبھی جی نہ لگایا۔

کسی نے امام جعفر صادق سے بیان کیا کہ خلیفہ منصور ہر دی جبہ پہنتا ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگے رہتے ہیں۔ امام نے یہ سن کر فرمایا پاک ہے وہ ذات جس نے اسے پادشاہت عطا کرنے کے باوجود فقر و فاقہ کی معیشت نصیب کی۔

مؤرخ ابن خلدون خلیفہ ابوجعفر منصور کے ورع و تقویٰ کی تعریف میں لکھتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بیت المال سے نئے کپڑے بنوانے سے بھی احتراز کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے عیال کے کپڑوں میں پیوند لگوانے کے متعلق درزی سے مشورہ کر رہا تھا۔ اتنے میں شہزادہ مہدی وہاں آپہنچا۔ مہدی رقعہ دوزی میں کسر شان سمجھ کر کہنے لگا امیر المومنین! اس سال گھر والوں کے کپڑے میں اپنی تنخواہ سے بنوا دیتا ہوں، آپ پرانے کپڑوں کو رہنے دیجئے۔ منصور نے اس تجویز کو تو منظور کر لیا لیکن اموال مسلمین سے اپنے اہل و عیال کے لئے نئے کپڑے بنوانے منظور نہ کئے۔

انصاف پسندی | باوجودیکہ منصور اعدائے حکومت کے حق میں تیغ بے نیام اور نہایت قہار واقع ہوا تھا لیکن اس کے خصائل حمیدہ میں سے ایک یہ

یہ ہے کہ جب کوئی شخص صفائی پیش کر کے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دیتا تھا تو اس کا عذر قبول کرنے میں اس کو کبھی تامل نہ ہوتا تھا۔

زہیر بن ترکی عامل ہمدان نے ابونصر مالک بن ہیثم کو گرفتار کر کے اسے ایک غلط فہمی کی بنا پر رہا کر دیا تھا۔ ابونصر اپنی مخلصی کے بعد دارالخلافہ پہنچا۔ خلیفہ اس کو اس بات پر ملامت کرنے لگا کہ اس نے ابومسلم کو خراسان جانے کا کیوں مشورہ دیا۔ ابونصر عرض پیرا ہوا امیرالمومنین! واقعی ابومسلم نے مجھ سے صلاح لی تھی اور میں نے اسے نیک مشورہ دیا تھا۔ اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب کوئی اس سے صلاح پوچھے تو اس کو نیک نیتی کے ساتھ ایسی صحیح رائے دے جو اس کے حال و مآل کے لئے بہتر ہو۔ اگر امیرالمومنین بھی کسی امر میں مجھ سے مشورہ کریں تو میں نیک اور خیر خواہانہ مشورہ سے دریغ نہ کروں گا۔ گو میرا مشورہ امیرالمومنین کے اغراض و مفاد کے خلاف تھا لیکن اس شخص کے لئے تو سودمند تھا جس نے میری رائے دریافت کی تھی۔ منصور نے یہ سن کر نہ صرف اس کی جرم بخشی کر دی بلکہ اس کو بدرجۂ کمال عواطف خسروی سے ممتاز فرمایا۔ اور اس کے خلوص نیت پر اتنا خوش ہوا کہ اس کو ولایت موصل کا گورنر بنا کے بھیج دیا۔ حالانکہ ابونصر وہی شخص تھا جس کے لئے اس سے پیشتر والی ہمدان کے نام قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا۔[1]

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۲

ایک مرتبہ کسی نے منصور کے دربار میں بیان کیا کہ خلیفہ ہشام اُموی نے فلاں جنگ میں نہایت تدبیر و کیاست سے کام لیا تھا۔ منصور کو اس رزم کے واقعات معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رصافہ میں ایک ضعیف العمر آدمی رہتا ہے جو ہشام کا رفیق کار تھا۔ منصور نے اس کو بلا بھیجا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا تم ہشام کی مصاحبت میں رہ چکے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ منصور نے کہا اچھا بتاؤ فلاں سال جو معرکہ ہوا اس میں ہشام نے کس تدبیر اور حکمت عملی سے کام لیا تھا؟ اس شخص نے واقعات جنگ کی تشریح ایسے انداز بیان میں شروع کی جو منصور پر شاق گزرا۔ کہنے لگا "خلیفہ ہشام نے خدا اس پر ہزار ہزار رحمتیں نازل کرے یوں کہا، خلیفہ ہشام نے خدا اس کی قبر کو عنبرین کرے یہ تدبیر کی۔ خلیفہ ہشام نے حق تعالیٰ اس سے راضی ہو یہ کیا" یہ شخص واقعات کی تفصیل بیان کرتا جاتا تھا اور ساتھ ہی ہشام کو بھی دعائے خیر سے یاد کر رہا تھا۔ منصور کو اس کا یہ طرز بیان ناگوار ہوا۔ آخر ضبط نہ کر سکا اور ڈانٹ کر کہا اے دشمن خدا چل دور ہو۔ میری بساط پر، میرے سامنے، میرے دشمن کے حق میں رحمت و رضوان الٰہی کی دعائیں کرتا ہے

بوڑھے نے وہاں سے مراجعت کی لیکن جاتے وقت یہ کہتا گیا "امیر المومنین میں آپ کے دشمن کا اس درجہ احسان مند ہوں کہ مجھے

غسال بھی بعد از مرگ اس سے سبکبار نہیں کرسکتا۔ منصور نے یہ سن کر حکم دیا کہ اچھا اس کو واپس بلاؤ۔ جب وہ دوبارہ حاضر ہوا تو کہنے لگا، امیرالمومنین! آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جس شخص کا میں مرہون منت ہوں کیا اسے نیکی سے یاد کرنا میرا فرض نہیں ہے؟ خلیفہ معاً متنبہ ہوا اور کہنے لگا، "بیشک فرض ہے اور تمہارے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک شریف الطبع، احسان شناس اور کریم النفس آدمی ہو۔" اس کے بعد منصور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب وہ جانے لگا تو اس کے لئے انعام کا حکم دیا۔ جب وہ چلا گیا تو خلیفہ اس کی بہت تعریف کرکے کہنے لگا کاش مجھے ایسے مخلص و وفادار مصاحب مل سکتے۔"[1]

معدلت گستری خلیفہ منصور کی یہ دلی آرزو تھی کہ اس کے ممالک محروسہ امن و داد کا گہوارہ بن جائیں۔ قاضی پیکر عدالت و مجسمۂ انصاف ہوں۔ کسی پر ظلم نہ ہو۔ ظالم کی رعایت نہ کی جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ۱۴۶ھ میں امام ابوحنیفہؒ کو بغداد طلب کیا۔ لیکن آپ نے منصب قضا کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ گو بغداد امام ابوحنیفہؒ کی عدل گستری سے محروم رہا اور خلیفہ منصور کے دل میں اس کا ارمان ہی رہ گیا لیکن پھر بھی خوش نصیبی سے قلمرو بغداد میں ایسے ایسے عدل پرور قضاۃ موجود تھے جو راہ عدالت و انصاف میں خلیفہ تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

[1] مروج الذہب مسعودی ترجمہ ابوجعفر منصور۔

نمیر مدنی کا بیان ہے کہ جن دنوں منصور مدینہ منورہ آیا، محمد بن عمران طلحی وہاں کے قاضی اور میں اُن کا محرر تھا۔ چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں خلیفہ پر نالش کر دی۔ قاضی محمد نے مجھے حکم دیا کہ امیر المومنین منصور کے نام حاضری عدالت کا حکم جاری کرو تاکہ مدعیوں کی دادرسی کی جائے۔ میں نے ایسے سمن بھیجنے سے معذرت چاہی۔ مگر قاضی صاحب نے اس پر اپنی مہر لگائی اور مجھ سے فرمایا کہ اس حکم کو امیر المومنین کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ میں روانہ ہوا۔ جب منصور کے پاس جاکر یہ حکم دکھایا تو معاً کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ میں عدالت میں طلب ہوا ہوں۔ تم میں سے کوئی شخص میرے سامنے میرے ساتھ نہ آئے۔ پس خلیفہ اور میں دارالقضاۃ میں پہنچے۔ قاضی صاحب تعظیم کے لئے نہ اُٹھے بلکہ اپنے چغہ کو اچھی طرح پھیلا دیا اور بڑے استقلال کے ساتھ بیٹھے رہے۔ پھر مدعی کو بلایا اور ثبوت لے کر خلیفہ کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جب قاضی صاحب حکم سُنا چکے تو منصور کہنے لگا "خدا تمہیں اس انصاف پسندی کا اجر دے" اور خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار انعام دیئے۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے سوار بن عبداللہ قاضی بصرہ کو لکھا کہ آپ کی عدالت میں ایک فوجی سردار اور سوداگر کے مابین مقدمہ چل رہا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ اس مقدمہ کا فیصلہ سردار کے حق میں کریں۔

قاضی سوار نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اس شہادت سے جو میرے سامنے پیش ہوئی ثابت ہوتا ہے کہ اس نزاع کا بحق سوداگر فیصلہ ہونا چاہیے اور میں شہادت کے خلاف ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتا۔ منصور نے لکھا قاضی صاحب! آپ کو یہ مقدمہ فوجی افسر کے حق میں فیصل کرنا پڑیگا۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھا واللہ میں از روئے انصاف اس کا فیصلہ بحق تاجر کروں گا۔ جب یہ جواب خلیفہ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا الحمد للہ میں نے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیا اور میرے قاضی مقدمات کا فیصلہ حق و انصاف کی بنیاد پر کرتے ہیں[1]

عفو | یہ صحیح ہے کہ منصور نے اخذ و بطش کی تلوار ہر وقت بے نیام کر رکھی تھی اور عفو کا نام تک نہیں جانتا تھا لیکن اس کی یہ عادت صرف خطرناک باغیوں کے ساتھ مخصوص تھی ورنہ جن مجرموں کے جرم کی نوعیت باغیانہ قسم کی نہ ہوتی اُن سے برابر درگزر کرتا تھا۔ مبارک بن فضالہ کا بیان ہے کہ ہم منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں ایک مجرم جو واجب القتل تھا حاضر کیا گیا۔ میں نے کہا امیر المومنین! میں نے امام حسن سے سنا ہے کہ سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن ندا کی جائے گی کہ جن لوگوں کا خدائے برتر پر کوئی اجر ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوگا بجز اُس کے جس نے کسی کی جرم بخشی کی ہوگی۔ یہ سن کر اسے

[1] تاریخ الخلفاء ترجمہ ابوجعفر منصور

نے اسے رہا کر دیا۔[1]

ایک شخص سزا پانی کے لئے خلیفہ منصور کے سامنے لایا گیا۔ وہ عرض پیرا ہوا، امیر المومنین! عدل کا اقتضاء تو واقعی یہ ہے کہ آپ مجھ سے قہر وانتقام کا سلوک کریں لیکن عفو کا مقتضا یہ ہے کہ آپ شیوۂ رحم وکرم اختیار کریں۔" یہ سن کر منصور نے اسے معاف کر دیا۔[2]

ضبط وتحمل | منصور ضبط وتحمل کا پہاڑ تھا۔ بیسیوں مرتبہ لوگوں نے منہ پر گالیاں دیں اور بدگوئی کا شیوہ اختیار کیا لیکن کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی کو اس جرم کی سزا دی ہو۔ حالانکہ بہت سے بادشاہ بدگوئی اور دشنام دہی کی پاداش میں زبان گدی سے نکلوا دیا کرتے تھے یا مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈلوا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن ابی ضویب نے منصور سے کہا کہ تم بنی آدم میں سب سے زیادہ شریر اور بدترین انسان ہو۔ منصور یہ سن کر خاموش رہ گیا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔

ایک مرتبہ منصور نے عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی سے دریافت کیا کہ تم بنو امیہ کے مقابلہ میں میری خلافت کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا "جتنا جور وظلم تمہارے عہد میں ہے اتنا تو شاید بنو مروان کے زمانہ میں بھی نہ تھا۔" منصور نے کہا کیا کروں مجھے اچھے مصاحب نہیں ملتے جو عدل وانصاف پر کاربند ہوں۔ اس نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے کہ اگر

[1]، [2]، [3] تاریخ الخلفاء۔

بادشاہ نیک ہو تو اسے نیک مصاحب ملتے ہیں اور اگر فاجر ہو تو اُس کے پاس فاجر ہی آتے ہیں۔" منصور یہ سُن کر خاموش ہوگیا اور اس سے کوئی باز پرس نہ کی۔[1]

اسی طرح منصور کو شام میں کوئی بدوی ملا۔ منصور اس سے کہنے لگا، شکر کرو کہ خدا نے تمہیں محض اس بنا پر طاعون سے محفوظ رکھا ہے کہ تم اہل بیت نبوت کے زیر حکومت ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اگر ہم تمہاری بدولت طاعون سے محفوظ ہیں تو ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہم پر طاعون کو مسلط کرے کیونکہ تمہاری حکومت اور طاعون ہمارے لئے یکساں ہیں۔ منصور نے کچھ جواب نہ دیا۔[2]

سخت گیری | پہلے کہا جا چکا ہے کہ غداروں اور حکومت کے باغیوں کے حق میں خلیفہ منصور سے بڑھ کر سخت گیر اور تیغ براں کوئی نہ تھا۔ اس کے جذبات و امیال میں انتقامی جذبہ سب سے بڑھا ہوا تھا اور خصائص زندگی میں قتل و قمع کی خصوصیت سب سے نمایاں تھی۔ اور بادی النظر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ منصور نے مسلمان اور خصوصاً عالم دین ہو کر اپنے اخوانِ مذہب کی خونریزی کیونکر جائز رکھی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور خلافت منصوری کے ابتدائی دس سال تک خلافت کا رعب و اقتدار اچھی طرح قائم نہ ہوا تھا اس لئے جا بجا بغاوتیں اٹھیں اور منصور کو ان کے

فرو کرنے کے لئے تشدد اختیار کرنا پڑا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اگر وہ سخت گیری سے کام نہ لیتا تو اپنا اقتدار ہرگز قائم نہ کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ منصور کے چچا عبدالصمد بن علی کے دل میں بھی منصور کی سخت گیری پر اعتراض پیدا ہوا تھا۔ اس نے خلیفہ سے کہا "آپ نے تعزیر و گوشمالی پر ایسی کمر باندھی ہے کہ کسی کو گمان نہیں ہوتا کہ آپ معاف کرنا بھی جانتے ہیں"۔ منصور نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک بنو مروان کا خون خشک نہیں ہوا، آل ابوطالب کی تلواریں بے نیام ہیں، خلفائے عباسیہ کا رعب لوگوں کے دلوں میں جاگزین نہیں ہوا اور ہیبت و رعب کا سکہ اس وقت تک دلوں پر نہیں بیٹھ سکتا جب تک میں لفظ عفو کے معنی نہ بھول جاؤں اور سراپا عقوبت و تعذیب نہ بن جاؤں[1]۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عناصر فساد کا قلع قمع ضرور تھا لیکن یہ بھی غلط نہیں ہے کہ منصور نے ان فتنوں کے فرو کرنے میں حد اعتدال سے اس درجہ تجاوز کیا کہ وہ سخت گیری میں ضرب المثل ہو گیا۔ جن دنوں منصور نے عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ کو اپنے فرزند گرامی نفس زکیہ کے حاضر کرنے پر مجبور کیا، عبداللہ نے اس کے متعلق منصور کے چچا سلیمان بن علی سے مشورہ کیا۔ سلیمان نے کہا کہ منصور کے مزاج میں بڑی سخت گیری ہے اگر وہ عفو و بخشش کے نام سے آشنا ہوتا تو اپنے حقیقی چچا عبداللہ بن

[1] تاریخ الخلفاء

علی کو ضرور معاف کر دیتا" یہ سن کر عبداللہ بن حسن متنبہ ہو گئے اور اس دن سے اپنے لخت جگر کے اخفا میں سعی بلیغ کرنے لگے۔

اوائل میں تو عامہ مسلمین مروانیوں کے زوال اور عباسیوں کے برسر اقتدار آنے پر بہت خوش تھے لیکن جب سفاح اور منصور کی سفاکیاں دیکھیں تو اموی حکومت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا اور لوگ بنوامیہ کے بعد آل عباس کی طرف سے بھی افسردہ دل ہو کر خلافتِ سادات کی تمنا کرنے لگے۔ ان دنوں منصور کی روز افزوں سخت گیری آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ لوگ اس سے دن بدن برافروختہ ہوتے گئے۔ فطرت انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی فعل ناپسند ہوتا ہے اور طبائع اس سے نافر و رمیدہ ہونے لگتی ہیں تو اس کے ہنر بھی عیب دکھائی دیتے ہیں اور اس کے انتساب کی ہر چیز مکروہ و قابل نفرت ہو جاتی ہے۔

اسی نفرت و استکراہ کا اثر ہے کہ بعض مورخوں نے منصور کے اخلاق و عادات کی تصویر کشی میں سخت رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس تصویر کے خد و خال سے یہ معلوم کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے کہ وہی خلیفہ ہارون رشید کا دادا اور عباسی خلفاء کا مورث اعلیٰ ہے جس نے قاضی محمد طلحی کو اس بنا پر دس ہزار دینار انعام دئیے تھے کہ اس نے از راہ انصاف ایک مقدمہ کا فیصلہ خلیفہ کے خلاف کیا تھا۔ جو بیت المال کا ایک حبہ بھی اپنی

تن آسانی پر خرچ نہ کرتا تھا۔ جو صوم وصلوٰۃ اور دوسرے اوامر کا سخت پابند اور بہت بڑا عالم شریعت تھا۔ جس نے فریضۂ حج کے بعد بہت سے نفلی حج کئے۔ مسجدیں بنوائیں۔ جہاد کیا۔ زر فدیہ ادا کر کے ہزارہا مسلمانوں کو نصاریٰ کی قید سے چھڑایا اور مختلف حیثیتوں سے خدمت دین کا حق ادا کیا۔

جو غیر محتاط مؤرخ ہر قسم کے رطب و یابس کو زیب قرطاس بنا لینے کے عادی ہیں، انہوں نے منصور کے تذکرہ میں بھی معتاد روایت کشی سے کام لیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ اور صفت کے متعلق اس قدر متضاد بیانات جمع کر دئے ہیں کہ روایت کے ایک پہلو کو متعین کرنا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے لیکن چونکہ ہمیں اس جذبہ کا علم ہے کہ جو خلیفہ منصور کے خلاف دلوں میں کار فرما تھا۔ ہم تضاد و اضطراب روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو جو باتیں اس جلیل القدر خلیفہ کی شان عدالت کے خلاف بیان کی گئی ہیں وہ سب یا اُن کا بیشتر حصہ بہتان طرازی یا مبالغہ ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر باغیوں اور ان کے معاونین کے دار و گیر سے قطع نظر کر لیا جائے تو منصور کا دامن عدالت ظلم و جور کے داغ سے بہت کم آلودہ ہے اور باوجودیکہ ہمعصر مخالفوں کی طرف سے بدنام کرنے کا کوئی پہلو اُٹھا نہیں رکھا گیا تاہم ہمیں عدد کشی کے سوا مشکل کوئی واقعہ ایسا نظر

آتا ہے جس میں وہ انصاف کے جادۂ مستقیم سے ہٹا ہو۔

جزرسی | خلیفہ منصور بڑا فیاض اور کرم گستر شہنشاہ تھا لیکن اسراف و تبذیر سے بچتا اور ایک پائی بھی بیجا خرچ نہ کرتا تھا۔ چونکہ غیر مستحقین عموماً اس کی شاہانہ داد و دہش سے محروم رہتے تھے انہوں نے اسے بخل سے متہم کر کے ابوالدوانیق (دمڑیوں کا باپ) کے نام سے مشہور کر رکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اس لئے پڑا کہ وہ اپنے عمال سے دمڑی دمڑی کا حساب لیا کرتا تھا[1]۔ چنانچہ جب بغداد کی تعمیر ختم ہوئی تو تعمیرات کے افسروں سے حساب لیا گیا جو کچھ جس کے پاس باقی نکلا اس نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ ابن صامت کے پاس پندرہ درہم (قریباً پونے چار روپے) تحویل میں باقی رہے تھے۔ چونکہ اس نے یہ رقم ادا نہ کی اس کو قید کر دیا۔ اور جب تک اس نے یہ درہم ادا نہ کر دئے رہا نہ کیا[2]۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ منصور اعلیٰ درجہ کا منتظم، صاحب تدبیر اور پابند اصول تھا۔ اس کی قلمرو میں اس قسم کا اندھیر کھاتہ نہ تھا کہ کسی سرکاری عہدہ دار کو سرکاری روپیہ میں تغلب و دست اندازی کا موقع ملتا۔ اس کا دل و دماغ ملک کے کلی اور جزئی امور پر حاوی تھا۔ حدود مملکت کی کوئی چیز اس کی نظر احتساب اور موشگافی

[1] تاریخ الخلفاء [2] ابن خلدون جلد ۳۔ صفحہ ۱۹۹

سے اوجھل نہ تھی یہ چیزیں پرانے زمانہ کے مفت خور بے ہنروں کے لئے عیب میں داخل ہوں تو ہوں لیکن آج کل کے متمدن و ترقی یافتہ دور میں بہت بڑا ہنر یقین کی جاتی ہیں۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے عرفہ کے دن خطبہ دیا جس میں کہا۔ "اے مسلمانو! خدائے قدوس نے مجھے اپنی زمین پر اس لئے بادشاہ بنایا ہے کہ اس کی توفیق سے رعایا پروری کروں۔ اس نے مجھے امین بنایا ہے تاکہ زر و مال کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کروں اور حکم شریعت کے بغیر کسی کو عطیات نہ دوں۔ رب العزۃ نے مجھے بمنزلہ اپنے قفل کے بنایا ہے۔ جب چاہتا ہے عطیات کے لئے کھول دیتا ہے اور جب تک چاہتا ہے بند رکھتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ رب العالمین کی طرف مائل ہو جاؤ۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ دعا کرو کہ رب ذوالمنن مجھے نیکی اور احسان کی توفیق بخشے اور عدل کے ساتھ میرے ہاتھ سے تم کو عطیات دلوائے، وہی سمیع و مجیب ہے۔"

صولی کہتے ہیں کہ اس خطبہ کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے اسے بخل سے متہم کیا تھا۔ چنانچہ اسی خطبہ کے آخر میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ امیر المومنین لوگوں پر مال خرچ نہیں کرتا۔ یہ درست ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے کردگار نے اسراف سے منع کیا ہے۔"[1]

[1] تاریخ الخلفاء

حقیقت یہ ہے کہ منصور داد و دہش میں کسی دوسرے فیاض بادشاہ سے کم نہ تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ بعض دوسرے تاجداروں کی طرح زر کو بے موقع نہیں اڑاتا تھا لوگوں نے اسے بخل سے مشہور کر دیا۔ مسعودی لکھتے ہیں :-

وکان یعطی الجزیل وما	منصور موقع پر وقت مال جزیل اور
کان اعطاءہ تضییعًا	زر خطیر عطا کرتا تھا لیکن اسکی بخشش
	وعطا ضائع و بیکار نہیں ہوتی تھی۔[1]

زہد و قناعت | خلیفہ منصور کے بخل سے مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی کہ زہد و قناعت کی عادت اسے زر و مال سے خود متمتع ہونے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ایک دن منصور کی لونڈی نے دیکھا کہ خلیفہ ایسی قمیص پہنے ہے جس میں پیوند لگے ہیں۔ لونڈی کہنے لگی عجائب روزگار دیکھو کہ امیرالمومنین کے بدن پر قمیص تک ثابت نہیں۔ منصور نے یہ سن کر لونڈی سے کہا۔ "شاید تو نے ابن ہرمہ کا وہ شعر نہیں سنا جس میں وہ کہتا ہے :-

ایک جوان کو شرف حاصل ہو گیا کیونکہ اس کی چادر پرانی تھی۔
اور قمیص کے گریبان میں پیوند لگے تھے[2]

کسی شخص نے منصور کی پھٹی ہوئی قمیص دیکھ کر کہا "خدا کی قدرت ہے کہ اس نے خلیفہ منصور کو بادشاہت کے باوجود افلاس میں مبتلا کر

[1] مروج الذہب مسعودی ترجمہ ابوجعفر منصور۔ [2] تاریخ الخلفاء۔

رکھا ہے۔ سلم حادی نے ان الفاظ کو نظم کا لباس پہنایا اور ان اشعار کو گانے لگا۔ منصور نے یہ گیت سن پایا اور بجائے سزا دینے کے الٹا اس کا ممنون ہوا اور اس پر مسرت و شادمانی کا اتنا غلبہ ہوا کہ قریب تھا کہ خوشی کے مارے گھوڑے سے گر پڑے اور پھر مسخرہ پن کا کمال دیکھو کہ شاعر کو نصف درہم (دوقی) انعام دینے کا حکم دیا۔ مسلم عرض پیرا ہوا "امیر المومنین! آپ مجھے اس گیت پر ایک دوقی انعام دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہشام اموی کو گانا سنایا تھا تو اس نے مجھے دس ہزار درہم عطا کئے تھے" منصور نے کہا۔ "بجا ہے لیکن اس نے یہ رقم بیت المال سے دی ہوگی"[1] منصور کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ کسی والی ملک کیلئے یہ جائز نہیں کہ بیت المال کا روپیہ جو قوم کی امانت ہوتی ہے بے دریغ اور اسراف و تبذیر کا شیوہ اختیار کرے۔

عطا و بخشش | مورخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفایت شعاری کا خوگر ہونے کے باوجود منصور کا سحاب کرم ابر نیساں بن کر اٹھتا اور صاحبان کمال اور اہل حاجات کا دامن دراہم و دنانیر سے بھر دیتا تھا۔ اس نے قاضی مدینہ کو اس انصاف پژوہی کی قدردانی میں دس ہزار دینار (قریباً پچاس ہزار روپیہ) کی رقم خطیر انعام دی تھی کہ اس نے خلیفہ کے مقابلہ میں شتربانوں کے حق میں فیصلہ صادر کر کے اسلامی معدلت شعاری کی روشن مثال قائم کر دی تھی۔ جس سال مکہ معظمہ میں خلیفہ منصور

[1] تاریخ الخلفاء مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۷۰۔

کی امام مالکؒ سے ملاقات ہوئی۔ خلیفہ نے آپ کو ایک ہزار دینار اور ایک شاہانہ خلعت عطا کیا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ کے فرزند کو بھی ایک ہزار دینار دے کر قدر دانی اہل کمال کا ثبوت دیا۔[1]

ابو دلامہ شاعر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے خلیفہ منصور کو اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی چند شعر بھی لکھ بھیجے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص آفتاب سے بھی بلند مقام پر بیٹھ سکتا ہے تو اے آل عباس تم اس کے مستحق ہو۔ اور میں تو دعا گو ہوں کہ تم شعاع شمس سے بھی زیادہ پھیلو اور ترقی کرو اور آسمان پر جا کر فرد کشش ہو کیونکہ تم سب سے زیادہ صاحب کرم ہو"۔ اس کے بعد خود حریم خلافت میں حاضر ہو کر باریاب ہوا اور ایک خالی تھیلی خلیفہ کے سامنے ڈال دی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابو دلامہ کہنے لگا۔ امیر المومنین! مجھے جو کچھ عطا کرنا ہے اس میں دے دیجئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ تھیلی دراہم سے بھر دی جائے۔ چنانچہ اس میں دو ہزار درہم آئے جو ابو دلامہ کو دے دیئے گئے۔[1]

اس کی کرم گستری کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے دس چچوں عبداللہ، عبدالصمد، اسماعیل، عیسیٰ، داؤد، صالح، سلیمان، اسحاق، محمد اور یحییٰ (پسران علی) کو دس لاکھ درہم

[1] تاریخ الخلفاء۔

عطا کئے تھے[1]

عیسیٰ بن نہیک کے غلام زید کا بیان ہے کہ میرے آقا کی وفات کے بعد خلیفہ منصور نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا کہ تمہارا مالک ورثاء کے لئے کتنا مال چھوڑ گیا ہے؟ میں نے کہا جس قدر زر و مال چھوڑا تھا اُس کی بیوی نے ادائے قرض، عزاداری اور دوسری ضروریات پر اٹھا دیا۔ پوچھنے لگا اس کی کتنی لڑکیاں ہیں؟ میں نے کہا چھ۔ خلیفہ تھوڑی دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ کل صبح آ کر ذرا مہدی سے مل لینا۔ میں نے دوسرے دن شاہزادہ مہدی سے ملاقات کی تو اس نے مجھے ایک لاکھ اسی ہزار درہم عطا کئے۔ اور صرف اسی بذل و عطا پر اکتفا نہ کیا بلکہ چھوں لڑکیوں کے لئے تیس تیس ہزار درہم الگ عطا فرمائے۔[2]

خلیفہ منصور کی ایک شان فیاضی یہ تھی کہ وہ ان حاملین شریعت اور علمائے راسخین کو جنہیں خدمت دین کی شدت انہماک اسباب معیشت سے فارغ رکھتی تھی بہت گراں بہا مالی امداد دے کر پشت پناہی کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام مالکؒ اور ابن سمعان کے پانچ پانچ ہزار دینار کی تھیلیاں بھیجی تھیں اور دونوں حضرات نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا۔[3]

حیف ہے کہ ان کرم گسترانہ نظائر و امثال کی موجودگی میں خلیفہ

---

[1] مروج الذہب مسعودی ترجمہ ابو جعفر منصور۔ [2] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ لیکن ابن اثیر نے درہم کے بجائے دینار لکھے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سہو روات ہے۔ [3] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۴۴۔

ابو جعفر منصور کو بخل سے متہم کیا جائے۔ یوں تو اس حوصلہ مند خلیفہ نے اپنے عہد خلافت میں فیاضی و اولوالعزمی کے خوب جوہر دکھائے لیکن اس کی بلند ہمتی نے پورا زور اس وقت دکھایا تھا جب مدینۃ الاسلام بغداد کی بنیاد ڈالی گئی۔ پس جب ہم متذکرہ صدر فیاضیوں کے علاوہ اس کے تعمیر بغداد کے کارنامہ پر نظر ڈالتے ہیں جس پر خوب شاہانہ حوصلہ دکھایا تو ہمیں ان لوگوں کی حقیقت ناشناسی پر سخت حیرت ہوتی ہے جو خلیفہ منصور کا نام سنتے ہی اسے خلیفۂ بخیل کے لقب سے یاد کرتے اور حرص و بخل کے طعنے دینے لگتے ہیں۔

سلسلۂ مطبوعات اقبال اکیڈمی

ہمارے ہندوستانی مسلمان—ولیم ہنٹر' آئی۔سی۔ایس ... ۱۲/-
اقبال پر ایک نظر—مرتبہ سید محمد شاہ' ایم۔اے ... ۱۲/-
تعلیمات اقبال—پروفیسر سلیم چشتی' بی۔اے ... ۸/-
شرح اسرار خودی—پروفیسر سلیم چشتی' بی۔اے ... ۸/-
اقبال اور پیام حریت—پروفیسر سلیم چشتی' بی۔اے ... /-
اسلامی پارٹی کا آئین—مولانا عزیز ہندی ... ۸/-
ہیگل کا فلسفہ—مولانا عزیز ہندی ... /-
اقبال کا تصور زمان و مکان—ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ایم اے /-
موت وحیات اقبال کے کلام میں—ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی /-
تعلیم کا مسئلہ—ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ایم۔اے پی ایچ۔ڈی /-
اقبال کے چند جواہر ریزے—خواجہ عبدالحمید' ایم۔اے ... /-
اشتراکیت اور اسلام—مولوی محمد مظہرالدین صدیقی' بی۔اے ۱ /-
محمد عبدہ—از چارلس ایڈمز مترجمہ مولوی مظہر الدین صدیقی
علمائے کرام کا مستقبل—مولوی محمد مظہرالدین صدیقی ... /-
حقیقت نفاق—مولانا صدرالدین اصلاحی ... /-
افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی—مولانا صدرالدین اصلاحی ۸/-
معرکۂ اسلام و جاہلیت از مولانا صدرالدین اصلاحی ... ۸/-
دربار رسول کے فیصلے مترجمہ ابوالعرفان حکیم محمد عبد الرشید /-
اقبال کا تصور خودی ڈاکٹر سید عابد حسین' ایم۔اے' پی۔ایچ۔ڈی /-
المنبہات (عربی)—حافظ ابن الحجر العسقلانی ...
القول الجمیل (عربی)—حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ... /-

The Spirit of Islamic Culture by A. Waheed ... -/8/-
The Secrets of the Self : Translation of Iqbal's Ramuz-i-Khudi by Dr. Nicholson 3/-
The Poet of the East by A. Anwar Beg, M.A., LL.B. ... 6/8/-
The Meaning of Pakistan by F. K. Khan Durrani ... 3/12/-
Iqbal's Educational Philosophy by K. G. Saiyidain ... 3/12/-
Shibli Nu'mani by Dr. S. M. Abdullah ... -/8/-

اقبال اکیڈمی
۴ ہ الف سرکلر روڈ' بیرون موچی دروازہ' لاہور

جعفر منصور

خلافتِ عباسیہ کا ایک زرین ورق

تالیف

ابو القاسم رفیق دلاوری

قیمت بے جلد عہ

محصول ڈاک ۳ر